
WWW.PAKSOCIETY.COM
دنیا بھر میں بچوں کا سب سے مقبول اردو میگزین
یوم آزادی نمبر
ماہنامہ پھول
اگست 2015ء
ہم نے اس گلشن کی خاطر کتنے جتن ہزار کیے
آگ کے صحرا سے گزرے ہیں خون کے دریا پار کیے
باوقار نظریاتی صحافت کے
75 شاندار سال
نوائے وقت
اشاعت کا
299
واں مہینہ
قیمت صرف 25 روپے
WWW.PAKSOCIETY.COM
معروف ادیبوں کی دلچسپ کہانیاں اور نظمیں
رنگا رنگ سلسلے اور انعامات کی برسات

بانی: مجید نظامی مرحوم
چیف ایڈیٹر: رمیزہ مجید نظامی

ماہنامہ پھول

اگست 2015ء

ڈیزائنر: سعدیہ امبرین یونس
اسسٹنٹ ایڈیٹر: شعیب قادر

میرا نام .... ہے
اور یہ میرا پیارا پھول ہے
اسے پڑھنے سے پہلے مجھے ہمیشہ خیال رہتا ہے کہ
• نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔
• آج کا ہوم ورک مکمل ہو گیا ہو۔
• امی ابو نے جو کام کہے تھے وہ کر لیے ہوں

پھول کی ادا سب سے جدا

سرورق: ہم پاکستان کا مستقبل ہیں۔ اذان احتشام۔ ایان احتشام۔ لاہور

پھول رنگ

انتساب

چوہدری رحمت علی کے نام
جنہوں نے
برصغیر کی نئی آزاد مسلم مملکت کا نام
"پاکستان"
تجویز کیا

ماہنامہ "پھول" نے رسائل کی دنیا میں نئی روایت کا آغاز کیا ہے۔ ہر ماہ کی مناسبت سے "پھول" کا انتساب مختلف اہم شخصیات کے نام کیا جاتا ہے تاکہ انہیں خراج تحسین پیش کیا جا سکے۔

http//www.phool.com.pk
shoaibmirza.phool@gmail.com

23۔ کوئنز روڈ لاہور۔ پاکستان: فون نمبر: 36367141-4 UAN:111-123-640
ایڈیٹر: 36314699 EXT-208 EXT-347 فیکس: 36367616-36367583

چیف ایڈیٹر پرنٹر اینڈ پبلشر رمیزہ مجید نظامی نے
ندائے ملت پریس سے چھپوا کر
دفتر روزنامہ نوائے وقت لاہور سے شائع کیا

قیمت فی شمارہ: 25 روپے



حمد باری تعالیٰ

تیری تقسیم کا انداز عجب ہے مولا!
وہ بھی پاتا ہے جو بے نام و نسب ہے مولا!
تجھ کو میں جانتا ہوں تیری عطاؤں کے سبب
میری پہچان بھی گریۂ شب ہے مولا!
میں جو دن رات تیرا شکر ادا کرتا ہوں
تو سمجھ یہ بھی مرا حسن طلب ہے مولا!
مجھ سے خورشید و مہ و نجم سنبھالے نہ گئے
یہ اندھیروں کا جہاں، میرے سبب ہے مولا!
وہ بھی تیرا ہے جو آنکھوں سے لگا لے مجھ کو
وہ بھی تیرا ہے مرے جو جناب ہے مولا!
چہچہاتے ہیں پرندے تو خیال آتا ہے
ان پرندوں سے جہاں بزم طرب ہے مولا!
تیری سرکار میں خاموش کھڑا ہے ناصر
یہ خطا کار بھی پابند ادب ہے مولا!

نعت رسول مقبول ﷺ

میں آپ ﷺ کے خدام کے قدموں کا نشاں ہوں
میں حرف مکرر تھا پہ اب لوح جہاں ہوں
یہ مسجد نبوی ﷺ ہے یہ مینار ہیں اس کے
میں خواب میں ہوتا تھا جہاں آج وہاں ہوں
یہ صحن حرم ہے مرے آقا ﷺ بھی مکیں ہیں
وہ مجھ سے نہاں ہیں میں کہاں ان سے نہاں ہوں
یہ حسنؓ، حسینؓ، عمرؓ و علیؓ کا ہے مدینہ
مولا میں کہاں ہوں مرے مولا میں کہاں ہوں!
بوذرؓ و سلمانؓ ہیں یہ حمزہؓ و عباسؓ
یہ ہیں مدینے میں تو کیا میں بھی وہاں ہوں!

عطاء الحق قاسمی۔ لاہور

کرنیں

ایک انوکھا تحفہ

کسی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا، اس کی ذات پر کیچڑ اچھالنا، اس پر بدگمانی کا اظہار کرنا اور اس کے بارے میں ناپسندیدہ بات کرنا غیبت کہلاتا ہے۔ غیبت ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ غیبت کرنے والا جھوٹ کی سیاہ مٹی سے ایسا گھروندہ تیار کرتا ہے جو وقتی طور پر خوبصورت بھی لگتا ہے اور ٹھوس بھی مگر چونکہ اس کی بنیادیں بدگمانی پر استوار ہوتی ہیں اور دیواریں بدظنی کی کھوکھلی اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہوتی ہیں اس لئے سچ کی بارش کا ایک قطرہ ہی اس کو زمین بوس کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے جب کہ غیبت کرنے والے کو سوائے افسوس، پشیمانی اور ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اسی طرح کا ایک غیبت گو حضرت حسن بصریؒ کے دور میں موجود تھا۔ اس کا ہر لمحہ اور لحظہ دوسروں کی غیبت اور عیب جوئی میں گزرتا تھا۔ سارا دن ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتا۔ ایک کی برائی دوسرے کے پاس اور دوسرے کی تیسرے کے پاس کرتا۔ ایک ساعت ایک مقام پر تو دوسری ساعت دوسرے مقام پر گزارتا۔ جو کوئی سنتا کہ اس نے اس کے بارے میں یہ کچھ کہا ہے تو وہ غم زدہ ہو کر رہ جاتا۔ کچھ لوگ اپنی صفائی بیان کرتے تو کچھ خاموش ہو کر رہ جاتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنے فن میں ماہر ہو چکا تھا۔ ایک وقت آیا کہ اس نے وقت کے ولی حضرت حسن بصریؒ کو بھی نہ چھوڑا اور ان کی غیبت سے اپنے دامن کو آلودہ کر لیا۔ لوگوں نے سنا تو اسے ٹوکا مگر وہ کب رکنے والا تھا۔ کچھ مریدین نے حضرت حسن بصریؒ کو بتایا کہ وہ آپ کے بارے میں بتایا کہ وہ آپ کے متعلق ایسی ایسی باتیں بنا تا پھر رہا ہے۔

خدا کے ولی کے ہر کام کا اپنا منفرد طریقہ ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے سنا تو فوراً ایک مرید کو آواز دی۔ مرید حاضر خدمت ہوا اور عرض کی "فرمایئے جناب! کیا حکم ہے؟" حضرت حسن بصریؒ نے کہا "یہ لو پیسے انہیں جیب میں ڈالو اور ابھی اسی وقت بازار جاؤ۔ وہاں سے تازہ و اعلیٰ چھوہاروں کا ایک ٹوکرا خرید لاؤ۔"

مرید روانہ ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد چھوہاروں کا ٹوکرا لا حاضر کیا۔ حضرت حسن بصریؒ نے ان چھوہاروں کو ایک طباق میں سجایا اور ایک مرید خاص کو کہا "اس طباق کو اس شخص کے پاس لے جاؤ کہ جو ہماری غیبت کرتا پھرتا ہے۔ اسے یہ پیش کرو اور ہماری طرف سے کہو کہ یہ تحفہ حسن بصریؒ نے آپ کے لئے بھیجا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کا از حد شکر گزار اور ممنون ہوں کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی نیکیوں کو میرے دفتر اعمال میں منتقل کر دیا ہے۔ میں آپ کی یہ عنایت ساری عمر نہیں بھولوں گا۔ اگرچہ میں آپ کے اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا تاہم یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمایئے۔"

مرید خاص نے حضرت حسن بصریؒ کے حکم کی تعمیل میں آپؒ کا پیغام اور چھوہاروں سے بھرا طباق غیبت گو تک پہنچایا تو وہ حضرت حسن بصریؒ کے اس قول و فعل سے از حد متاثر ہوا۔ وہ اپنے کئے پر شرمندہ اور نادم ہوا۔ اس نے حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی طلب کی اور غیبت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔

سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 12 میں رب کائنات ارشاد فرماتے ہیں:

"اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں اور جاسوسی بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ سو اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اداریہ

"پھول" کا گزشتہ شمارہ "ماں نمبر" تھا۔ موجودہ شمارہ بھی ماں نمبر ہی ہے۔ یہ دھرتی ماں کے حوالے سے ہے۔ جس کی گود میں ہم پلتے ہیں۔ یہ دھرتی ہمیں اپنی آغوش میں سمیٹے رکھتی ہے۔ حقیقی ماں کی طرح اس کے بھی ہم پر بہت حقوق ہیں۔ گزشتہ شمارے میں ماں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ اس شمارے میں دھرتی ماں کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ اس ماں کا حق ادا ہو سکتا ہے نہ دھرتی ماں کا۔ بدقسمتی سے جس طرح نئی نسل اپنی ماں کے مقام و مرتبے سے غافل ہوتی جا رہی ہے اسی طرح وہ دھرتی ماں کی اہمیت سے بے گانہ ہو رہی ہے۔ اس دھرتی پر پلنے والے، یہاں بڑے ہونے والے، اس پر تعلیم و ہنر حاصل کرنے والے جب اس قابل ہوتے ہیں کہ ماں کی خدمت کریں، اپنا فرض ادا کریں، ماں کا قرض لوٹائیں تو احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ماں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ مجھے یہ شعر دہرانے دیں

شہر میں جا کر پڑھنے والے بھول گئے
کس کی ماں نے کتنا زیور بیچا تھا

میں بہت سے نوجوانوں کو جانتا ہوں جن کے والدین نے ان کی پرورش کی ان کو اعلیٰ تعلیم دلائی، اپنی ضرورتوں کو نظرانداز کر کے ان کی خواہشوں کو پورا کیا۔ اپنی جمع پونجی خرچ کر کے ان کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجا اس لیے کہ وہ واپس آ کر ان کے بڑھاپے کا سہارا بنیں گے، واپس آ کر ملک و قوم کی خدمت کریں گے۔ لیکن وہ واپس آنے کے بجائے وہیں کے ہو رہتے ہیں۔ ماں باپ کس طرح دل پر پتھر رکھ کر ان کو خود سے دور بھیجتے ہیں لیکن نئی نسل اس دکھ، کرب کو سمجھتی نہیں یا سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔ اس کیفیت کو شاعرہ دلشاد نسیم نے کس عمدہ انداز سے بیان کیا ہے۔

جن کو سینچا ہے لہو دے کر وہ پنچھی ہم سے
دور جانے کی کریں بات تو دل دکھتا ہے

آج حقیقی مائیں اور دھرتی ماں اسی کرب کا شکار ہیں ہمیں انہیں اس کرب سے نجات دلانا ہوگی۔ پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن ہے ہمیں مل کر اسے ترقی کی معراج پر پہنچانا ہے۔ ڈاکٹر مجید نظامی ساری زندگی پاکستان کیلئے کام کرتے رہے۔ ہمیں ان کے مشن کو آگے بڑھانا ہے۔ قائداعظم کی طرح انہیں بھی نئی نسل سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں ہمیں ان کی امیدوں پر پورا اترنا ہے۔ انہوں نے آپ کیلئے "پھول" کا اجراء کیا۔ ہمیں ان کا یہ احسان یاد رکھنا چاہئے۔ ہم کوشش کریں گے کہ "پھول" کے ذریعے ان کے افکار کی ترویج کرتے رہیں۔ اپنی دعاؤں میں انہیں اور ہمیں یاد رکھئے۔

اکتوبر 2015ء میں ہم "پھول" کا "سلور جوبلی نمبر" شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کو ایک یادگار شمارہ بنانے کے لئے آپ کا بھرپور تعاون درکار ہے۔ اس موقع پر ایک خصوصی تقریب کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ اس میں بھی بھرپور شرکت کیجئے گا۔ اس حوالے سے اپنی تجاویز بھیجیں تاکہ ان کی روشنی میں ہم کچھ بہتر اور کچھ نیا کر سکیں۔

عیدالفطر کے موقع پر جن پھول ساتھیوں نے خوبصورت عید کارڈز بھجوائے اور میری والدہ کی برسی پر قرآن خوانی کر کے ہزاروں درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا اور دعاؤں میں یاد رکھا ان کا دلی طور پر شکر گزار ہوں۔

تمام پھول ساتھیوں سے گزارش ہے کہ ہر مہینے کے حوالے سے کہانیاں، مضامین، کہکشاں، مصوری اور لطیفے بھجوایا کریں تاکہ اس مہینے کی مناسبت سے منفرد شمارہ تیار کر سکیں جیسے آئندہ شمارہ ستمبر کا ہے تو یوم دفاع کے حوالے سے ہر سلسلہ ہونا چاہئے تاکہ ہم شہداء اور افواج پاکستان کو بھرپور طریقے سے خراج تحسین پیش کر سکیں۔

آپ کو یوم آزادی مبارک ہو

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر ملیں گے۔

محمد شعیب مرزا
آپ کے ایڈیٹر بھیا



اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر

آمنہ

ماہ اگست ہمارے لئے خوشی کی نوید بن کر آتا ہے ان قربانیوں، ولولہ و عزم کی یاد دلاتا ہے جسکے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا اور ہر سال ہمارے ذہنوں میں چند سوال چھوڑ کر جاتا ہے کہ کیا ہم نے پاکستان بننے کے مقصد کو پورا کیا، اسکی سالمیت و قومیت کو قائم رکھا، جداگانہ تصور کی حفاظت کی اور کیا ہم نے ان لوگوں کا حق ادا کیا جنہوں نے ارض پاک کی آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، پاکستان کے موجودہ حالات جو چل رہے ہیں اس سے تو ہم سب واقف ہیں اور پاکستان کو جن جن چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ بھی سب پر عیاں ہیں مگر ایک اہم مسئلہ جس سے پاکستان کی سالمیت و قومیت بری طرح متاثر ہو رہی ہے اسکو ہم مسلسل نظر انداز کر رہے ہیں۔

میڈیا نے ہماری زندگی میں بہت اہم جگہ بنالی ہے بلکہ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کی پسندیدگی زیادہ ہے بہ نسبت پرنٹ میڈیا کے اور اسکے اثرات براہ راست لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں۔ کسی بھی ملک کا میڈیا اس ملک کی پہچان ہوتا ہے۔ کیونکہ جب بھی ہم کسی ملک و قوم کی کلچر و ثقافت، مذہب، رہن سہن، سوچ و فکر، تصورات کے بارے میں واضح آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس ملک کے میڈیا سے بخوبی حاصل کر سکتے ہیں مگر افسوس پاکستانی میڈیا کچھ عرصے سے اپنی ذمہ داری ٹھیک طرح سے پوری نہیں کر رہا ہے۔

کیونکہ اس پر بھارتی میڈیا کی گہری چھاپ دکھائی دے رہی ہے۔ ہمارے ہر چینل کے پروگرام وشوز، ڈرامے، فلمیں وغیرہ غرض ہر ہر چیز انڈیا میڈیا کے زیر اثر مرتب کی جا رہی ہے۔ اپنی کامیابی و ترقی کے لئے انہی کے شوز و کلچر کو لازمی تصور کیا جا رہا ہے۔ جو ہماری نوجوان نسل پر گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے۔ اسکے تصورات و نظریات کو غیر واضح بنا رہی ہے اسکے برعکس انڈین میڈیا کی صورتحال بالکل مختلف ہے ہمارے ہر چینل پر یا تو انڈین پروگرامز دکھائے جاتے ہیں یا پھر اپنے پروگرامز ڈرامے بھی اسطرح سے مرتب کئے جا رہے ہیں جس میں ہندوستانی کلچر زیادہ دکھائی دیتا ہے بجائے پاکستان کے لوگوں کی بھرپور پسندیدگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہمارے افکار و نظریات اور سوچ و فکر میں کس حد تک تبدیلی آتی جا رہی ہے۔

تہذیبوں کا ملاپ و تبدیلی ایک خاموش اور سرد جنگ کی مانند ہے۔ جو بڑی تیزی اور خاموشی سے اپنے مقاصد تک پہنچ جاتے ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔

نئی نسل کو اپنے دوست اور دشمن کو پہچاننا چاہیے



ہمارے گھروں، شادیوں، سکول و کالج وغیرہ کی تقریبات میں آنے والی واضح تبدیلیاں اسکا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ہم کیا ہیں کہاں سے آئے ہیں مقاصد کیا ہیں اور آخر کہاں جا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ سونیا گاندھی جو ایک ہندو لیڈر ہیں، انہوں نے ایک تقریب میں یہ بات واضح الفاظ میں بیان کی تھی کہ ”اب ہمیں پاکستان سے جنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہم نے اپنی ثقافت و کلچر کو پاکستان میں ڈال دیا ہے اور وہ ایک پکے ہوئے پھل کی طرح کچھ عرصے بعد خود ہی ہماری گود میں آگرے گا“۔

یوم آزادی کے موقع پر ہمارا اپنے دوست و دشمن کو سمجھنا تاکہ اپنی جداگانہ پہچان و شناخت کو قائم رکھا جا سکے۔ وہ قومی نظریے کی حفاظت کی جا سکے۔ تاکہ جدوجہد کرتے ہوئے ملک و قوم کو ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن کیا جا سکے۔ تاکہ ہمارے بزرگوں کی قربانیوں کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

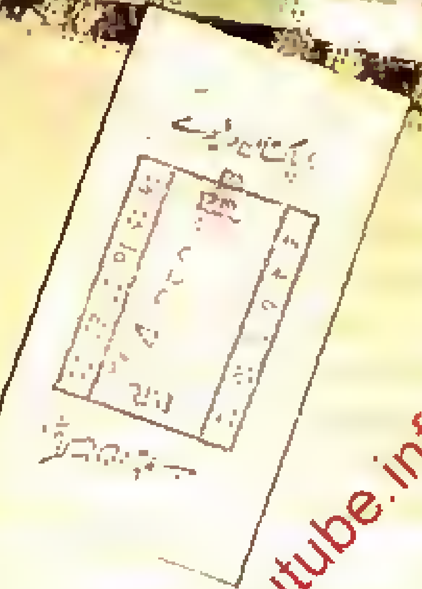
ہمارے دشمنوں نے سیاست اور صوبوں کے داخلی امور میں تو مداخلت کرنی شروع کر دی ہے اسے پاکستان کی سالمیت کو نشانہ بنانے کے مزید مواقع نہ مل سکیں“۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک و قوم کی حفاظت فرمائیں اور اسے دشمنوں کی تمام چالوں سے بچائیں۔ آمین۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی







کہانی ٹکٹ کی

وہ وطن دشمن نہیں تھا لیکن.........

نذیر انبالوی

اشرف بغل میں کپڑوں کی گٹھڑی دبائے ٹرین کے ڈبے میں داخل ہوا تو وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مسافر کھڑکیوں کے ذریعے ڈبے میں اپنا سامان رکھ رہے تھے۔ مرد، بچے، بوڑھے اور عورتیں ٹرین میں نظر آ رہے تھے۔ کئی مسافر لڑ رہے تھے کہ ان کی سیٹ پر کوئی اور قبضہ جمائے بیٹھا تھا۔ ڈبے کے دروازے میں چند نوجوان کھڑے تھے جس سے اندر آنے والوں کو دقت کا سامنا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان نوجوانوں کو کچھ کہہ سکتا۔ پلیٹ فارم پر مسافروں کو الوداع کہنے والے ہاتھ ہلا کر اور آنکھوں میں آنسو لئے اپنے پیاروں کو رخصت کر رہے تھے۔ قلی بھی تیزی کے ساتھ مسافروں کا سامان مختلف ڈبوں میں رکھنے میں مصروف تھے۔ اشرف ڈبے میں داخل تو ہو گیا تھا مگر اسے بیٹھنا تو درکنار کھڑے ہونے کے لئے بھی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہاں پہلے ایک شخص ثاقب اپنی برقعہ پوش بیوی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے اشرف کو گھورا تو وہ گھبرا سا گیا۔

"ذرا ادھر ہو جاؤ" یہ سن کر اشرف ذرا سا سرکا تو اس آدمی نے ایک میلی سی چادر بچھائی اور اس پر اپنی بیوی سمیت بیٹھ گیا۔

"اب سفر کٹ جائے گا" ثاقب بولا۔

"سفر تو بہت لمبا ہے کیا اسی جگہ بیٹھ کر کٹے گا؟" ثاقب کی بیوی نے پوچھا۔

"نہیں فکر نہ کرو، یہ مسافر تو قریبی شہروں کے ہیں، جب یہ اپنے اپنے سٹاپ پر اتر گئے تو پھر ڈبے میں جگہ بن جائے گی، کراچی تک جانے والے مسافر تو تھوڑے ہی ہیں" ثاقب نے اپنی بیوی کو بتایا۔

اشرف جگہ کی تلاش کے لئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ باتھ روم کے ساتھ ابھی تک کوئی نہیں بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بغیر کچھ بچھائے باتھ روم کے دروازے کے پاس بیٹھ گیا، وقفے وقفے سے باتھ روم سے بدبو آ رہی تھی۔ اب اس کے کپڑوں کی گٹھڑی بغل سے نکل کر اس کی کمر کے پیچھے آ گئی تھی۔ کئی مسافر اب بھی ڈبے میں سوار ہونے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ایک بچہ مسلسل رو رہا تھا۔ ماں اسے بہلانے میں لگی ہوئی تھی۔ جس کے باعث کئی مسافر بیٹھے میں شرابور تھے۔ ٹرین کی روانگی کا وقت قریب تھا، ٹھنڈے مشروب بیچنے والے کھڑکیوں کے قریب آ کر آوازیں لگا رہے تھے۔ ڈبے میں 72 مسافروں کے بیٹھنے کی جگہ تھی مگر اس میں گنجائش سے بہت زیادہ مسافر سوار تھے۔ دل ہوئی

تو ٹرین آہستہ آہستہ چلنا شروع ہوئی۔ کئی مسافر اب بھی بھاگ کر اپنے ڈبوں کی طرف لپک رہے تھے۔ مسافر کھڑکیوں سے ہاتھ نکال کر اپنے رشتہ داروں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ اشرف اکیلا تھا کوئی اسے الوداع کہنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ جب ٹرین شہری حدود سے نکلی تو اس کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

"میں پہلی بار تھرڈ کلاس میں سفر کر رہا ہوں، جب کاروبار اچھا تھا تو فرسٹ کلاس میں سفر کرتا تھا۔ وقت وقت کی بات ہے، وہ وقت نہیں رہا تو یہ وقت بھی نہیں رہے گا" ایک مسافر نے آہ بھرتے ہوئے دوسرے مسافر کو مخاطب کیا۔

"تم نے کہاں جانا ہے؟" ایک بزرگ نے اشرف سے پوچھا۔

"وہ جی...... میں نے کراچی جانا ہے، میں پہلی بار جا رہا ہوں"

"بہت ظلم ہے، اتنا لمبا سفر اور تم اس طرح بیٹھے ہو، ڈبے میں زیادہ تر تو مفت برے ہیں، ٹکٹ خریدنا تو ان کی توہین ہے، ایسے لوگ اپنے ملک کو نقصان پہنچا کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ میرا بس چلے تو ایسے ملک دشمنوں کو کڑی سزا دوں" بزرگ کی باتیں سن کر اشرف ہوں، ہاں کرتا رہا۔

"میں بھی اپنے ملک کو نقصان پہنچاؤں گا، کیا میں بھی ملک دشمن ہوں؟" اشرف سوچوں میں گم بہت دور نکل گیا۔

ایک گاؤں میں اشرف اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا، زرعی زمین نہ ہونے کے باعث اس کے والد گاؤں ہی میں محنت مزدوری کر کے گھر کی گاڑی چلا رہے تھے، اشرف کو گاؤں کے پرائمری سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ سکول میں ماسٹر پڑھاتے کم اور کام زیادہ لیتے تھے۔ گائے کے لئے کھیت میں سے چارہ کاٹ لاؤ،

گھر سے نکلا وہ، مرغیوں کے لیے دانہ لے آؤ، مرغیوں کے انڈے چاچا اللہ دتہ کی دکان پر دے آؤ، اتنے سارے کام کرنے کے بعد پڑھائی بھلا کیا ہو سکتی تھی۔ جب کچھ یاد نہ ہوتا تو ماسٹر ڈنڈے سے اتنی بے دردی سے پٹائی کرتے کہ دل چاہتا کہ وہ دوبارہ کبھی سکول نہ جائے، وہ گھر جا کر شکایت کرتا تو ابا اسے گھورتا۔

"سبق یاد کیا کر، جب سبق یاد ہو گا تو ماسٹر کیوں مارے گا، بول جواب دے"

"میں سبق یاد بھی کیسے کروں" اشرف بولا۔

"کیا مطلب؟"

"سارا دن تو ماسٹر جی کے کام کرتا رہتا ہوں مجھ سے سبق یاد نہیں ہوتا، میں کل سے سکول نہیں جاؤں گا" اشرف نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"نہ جا سکول، ماسٹر اپنا ڈنڈا لئے یہاں آ جائے گا پھر وہ ایسی پٹائی کرے گا کہ نانی یاد آ جائے گی، اب سبق یاد کر لو"۔

"میں اب بہت تھک گیا ہوں، شام کو سبق یاد کر لوں گا" یہ کہہ کر اشرف نے کپڑے کا بنا تھیلا جس میں اس کی سکول کی کتابیں اور پھٹی پرانی کاپیاں تھیں ایک طرف پھینک دیا تھا۔

یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ اس نے اسی طرح روتے دھوتے پانچویں جماعت پاس کر لی۔ وہ صرف اپنا نام لکھ سکتا تھا۔ ابا جب اس سے کچھ پڑھنے کے لئے کہتا تو وہ پڑھ نہ سکتا تھا۔ پانچویں کے بعد وہ اپنے چچا طفیل کے ساتھ ایک گارمنٹس فیکٹری میں کام سیکھنے کے لئے جانے لگا، اس کے چچا کافی عرصے سے وہاں کام کرتے تھے، دو تین سال میں اشرف بچوں کے کپڑوں کی سلائی کرنے میں کافی حد تک ماہر ہو گیا تھا۔ تنخواہ اور اوور ٹائم ملا کر اسے چار پانچ ہزار روپے ماہوار کے مل جاتے تھے۔ ایک دن وہ چچا جان کے ساتھ فیکٹری پہنچا تو وہاں تالا پڑا تھا۔ فیکٹری کے مالک سیٹھ برہان نے بینک سے قرض لیا تھا جو انہوں نے ادا نہیں کیا تھا جس کے باعث فیکٹری کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا تھا۔ جب روزگار کا یہ سلسلہ بند ہوا تو اشرف کے چچا تو لاہور چلے گئے جب کہ اشرف گاؤں ہی میں رہا۔ چچا جان لاہور جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ جب وہ لاہور میں قدم جما لیں گے تو اشرف کو لاہور بلا لیں گے۔ چچا طفیل لاہور میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد کراچی چلے گئے۔ کراچی میں گارمنٹس کا خاصا کام تھا اسی لئے چچا جان نے اشرف کو کراچی بلا لیا تھا۔ ابا جان نے جب اسے لاہور جانے والی کوچ میں سوار کروایا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"لاہور جا کر کراچی والی ٹرین میں سوار ہو جانا"۔

"ابا! آپ فکر نہ کریں، میں اب چھوٹا نہیں ہوں، میرے لئے دعا کیجئے گا" اشرف نے کہا۔

لاہور پہنچ کر جب اشرف ریلوے سٹیشن میں داخل ہوا تو اس نے جیسے ہی جیب میں ہاتھ ڈالا وہ چکرا کر رہ گیا۔ کوئی جیب کترا اپنا کام کر گیا تھا۔ قمیص کی اوپر والی جیب میں صرف دو سو روپے بچے تھے۔ اب اس کے لئے کراچی کے ٹکٹ کے حصول کا مسئلہ تھا۔ اس کے کئی دوست بغیر ٹکٹ ٹرین میں سفر کر چکے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پلیٹ فارم نمبر 5 پر کھڑا تھا۔ کراچی جانے والی ٹرین قدم قدم پر کھڑی تھی۔ خوف کے مارے اشرف کا دل تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا، وہ تیزی سے ایک ڈبے میں داخل ہو گیا تھا۔

"اوئے یہاں سے اٹھ کیا یہ بیٹھنے کی جگہ ہے؟" ایک آدمی کی ٹھوکر سے اشرف کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ اشرف بغیر کچھ کہے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اسے ٹھوکر مارنے والا تیزی سے باتھ روم میں چلا گیا۔ جب وردی میں ملبوس ٹکٹ چیکر ڈبے میں داخل ہوا تو اشرف کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ پکڑا جائے گا۔ ٹکٹ چیکر جب اس طرف مسافروں کی طرف بڑھا تو انہوں نے اپنے ٹکٹ جیبوں سے نکال لیے۔ "اس بوگی میں تو آپ کی سیٹ نہیں ہے، آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟" ٹکٹ چیکر نے ایک مسافر کو مخاطب کیا۔

"میری سیٹ کس بوگی میں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کی سیٹ بوگی نمبر چودہ میں ہے، ٹرین کسی سٹاپ پر رکے تو آپ بوگی نمبر چودہ میں چلے جائیں"۔ ٹکٹ چیکر یہ کہتے ہوئے دوسرے مسافروں کی طرف بڑھا، اشرف تیزی سے باتھ روم میں گھس گیا۔ اب وہ خود کو محفوظ تصور کر رہا تھا۔ اشرف کو بدبودار ماحول میں سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ ایک سوراخ سے آنکھ لگا کر ٹکٹ چیکر کو دیکھتا اور پھر باتھ روم کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو جاتا۔ جیب کترا پیسوں کے ساتھ اس کا موبائل فون بھی لے اڑا تھا جس کے باعث وہ کسی سے رابطہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو پریشان تھا ہی ابا جان اور چچا بھی اس سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے۔ باتھ روم میں بند اشرف پر ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی تو مسافر تیزی سے ڈبوں سے باہر آنے لگے، ٹکٹ چیکر بھی ڈبے سے اتر گیا۔ اب اشرف کے لیے راستہ صاف تھا۔ اب صرف دو سو روپے اس کا کل اثاثہ تھے۔ بیس روپے میں آلو والا نان لے کر کھایا اور پانی پی کر پیٹ بھر لیا۔ جب ٹرین چلی تو اشرف کسی اور ڈبے میں سوار ہو گیا۔ اس ڈبے میں بھی پہلے ڈبے کی طرح مسافروں کی تعداد گنجائش سے زیادہ تھی۔ سورج غروب ہوا تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ڈبے میں لگے دو تین چھوٹے چھوٹے بلب روشنی کے لیے ناکافی تھے۔ اشرف کھڑکی کے ساتھ ڈبے کے فرش پر بیٹھ گیا۔ اس وقت نیند اس کی آنکھوں سے اڑ گئی تھی جب سامنے کی سیٹ پر بیٹھے دو مسافر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"میں اکثر اس ٹرین میں سفر کرتا ہوں میں نے آج تک اتنی چیکنگ نہیں دیکھی جتنی آج ہو رہی ہے ہمارے ڈبے سے دس مسافر بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں"۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں نے بھی اتنی چیکنگ کبھی نہیں دیکھی، بغیر ٹکٹ سفر کرنے والے ملک کے دشمن ہیں، ملک کے ان دشمنوں کو جرمانے کے ساتھ سزا بھی ملنی چاہیے"۔

"میں بھی ملک کا دشمن ہوں، اے اللہ میں بغیر ٹکٹ سفر کر کے اپنے ملک کو نقصان پہنچا رہا ہوں، میں ایسا مجبوری کی حالت میں کر رہا ہوں، اے میرے مالک مجھے معاف کر دے، میری پردہ پوشی کر دے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ملک کو پہنچنے والے اس نقصان کا ازالہ کروں گا، میں اپنے وطن کا دشمن نہیں ہوں۔" یہ بڑبڑا کر اشرف آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ ڈبے کے اکثر مسافر سو یا اونگھ رہے تھے۔ تین بجے کے قریب دو سپاہی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ گھبرا سا گیا۔

"کون ہو تم؟" ایک سپاہی نے اسے گھورا۔

"میرا نام اشرف ہے، میں گاؤں اللہ بخش کا رہنے والا ہوں، کام کے سلسلے میں کراچی جا رہا ہوں"۔

"اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ۔" دوسرا سپاہی تیزی سے بولا۔ اس کا شناختی کارڈ اوپر والی جیب میں تھا اس لیے جیب کترے کے پاس جانے سے بچ گیا تھا۔ اشرف نے اپنا شناختی کارڈ فوراً سپاہی کی طرف بڑھایا۔ سپاہی نے شناختی کارڈ دیکھ کر اسے واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس پوٹلی میں کیا ہے؟"۔

''اس میں میرے کپڑے ہیں۔'' اشرف بولا۔
سپاہی پوٹلی چیک کرکے آگے بڑھ گئے۔ سپاہیوں نے اس سے ٹکٹ کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ پھر وہ ساری رات سوتا جاگتا رہا۔ اس کے بعد ڈبے میں کوئی ٹکٹ چیکر نہ آیا تھا۔ ٹرین جب اپنی منزل پر پہنچی تو مسافر اپنا سامان لے کر باہر کی طرف بڑھے۔ اب وہاں پھر ٹکٹ چیکنگ کا مرحلہ تھا۔ اشرف سوچ میں پڑ گیا کہ اب وہ کیا کرے۔ وہ کافی دیر تک پلیٹ فارم پر کھڑا رہا۔ پھر اس کی نظر کینٹین کے ساتھ ایک چھوٹے سے کیبن پر پڑی۔ کئی مسافر اس سے گزر کر باہر جا رہے تھے۔ اشرف بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ تھوڑی دیر میں وہ اسٹیشن سے باہر تھا۔ اتنا وہ کھنچے کا سرا سے سالوں پر بھیڑ لگ رہا تھا۔ چچا جان اس کے منتظر تھے۔ ان کے پوچھنے سے قبل اشرف نے ساری بات انہیں بتا دی۔

''اچھا تو یہ معاملہ ہے، آ جاؤ میرے ساتھ۔''
چچا جان کی معرفت اُسے جلد ہی کام مل گیا۔ اس کے پاس پیسے جمع ہو گئے تو اس نے اپنے عمل سے ثابت کرنا تھا کہ وہ اپنے وطن کا دشمن نہیں دوست ہے، وہ اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔
14 اگست کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف سبز ہلالی پرچم لہرا رہے تھے۔ اشرف نے بھی ایک چھوٹا سا بیج اپنی قمیص پر لگا رکھا تھا۔
ایک شام وہ چچا طفیل کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں موجود تھا۔ اسٹیشن ماسٹر عبداللہ نے آنے کا مدعا پوچھا تو اشرف نے ایک سفید رنگ کا لفافہ اُن کی طرف بڑھا دیا۔
''اس میں کیا ہے؟''
''اس میں لاہور سے کراچی آنے کا سیکنڈ کلاس کے ٹکٹ کا کرایہ ہے یہ کرایہ آپ وصول کر لیں۔''
''میں کچھ سمجھ نہیں پایا۔'' عبداللہ بولا۔
پھر اشرف بولتا رہا اور اسٹیشن ماسٹر خاموشی سے سنتے رہے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وطن عزیز میں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اشرف کو گلے لگا لیا اور اس کی دی ہوئی رقم کو بحق سرکار جمع کروا دیا۔
اس لمحے اشرف نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے نہ صرف اس کی پردہ پوشی کی تھی بلکہ اُسے وطن کے دشمن سے وطن کا دوست بنا دیا تھا۔

☆☆☆

میرا انعام پاکستان
میرا پیغام پاکستان

میرا انعام پاکستان، پاکستان پاکستان
میرا پیغام پاکستان پاکستان پاکستان
محبت امن ہے اور امن کا پیغام پاکستان
میرا انعام پاکستان میرا پیغام پاکستان
خدا کی خاص رحمت ہے
بزرگوں کی بشارت ہے
کئی نسلوں کی قربانی
کئی نسلوں کی محنت ہے
اثاثہ جیالوں کا
شہیدوں امانت ہے
تعاون ہے مروت کا
محبت ہی عبادت ہے
یہ تاریخ نے رکھا ہے اس کا نام پاکستان
محبت امن ہے اور امن کا پیغام پاکستان پاکستان
مرا انعام پاکستان
مرا پیغام پاکستان
اندھیروں کو مٹائے گا
اجالا امن کے گا
یہ خطہ انقلابی ہے
نئی دنیا بنائے گا
اگر اللہ نے چاہا تو
زمانہ وہ بھی آئے گا
جہاں تک وقت جائے گا
اسے آگے ہی پائے گا
ندا قائد کی ہے اقبال کا الہام پاکستان پاکستان
محبت امن ہے اور امن کا پیغام پاکستان پاکستان
(شاعر جمیل الدین عالی...... انتخاب: محمد جنید جانی
اکبر پورہ پشاور)

سب سے عظیم

☆ دنیا میں خدا کا سب سے عظیم نام ''اللہ'' ہے۔
☆ دنیا میں سب سے عظیم ہستی ''محمد ﷺ'' ہیں۔
☆ دنیا میں سب سے عظیم کتاب ''قرآن مجید'' ہے۔
☆ دنیا میں سب سے عظیم شہر ''مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ'' ہیں۔
☆ دنیا میں سب سے عظیم سایہ ''باپ'' ہے۔
☆ دنیا میں سب سے عظیم جنت ''ماں'' ہے۔
☆ دنیا میں سب سے قابل احترام شخص ''استاد'' ہے۔

محمد اقبال نعمٰن ترکمان والا، اولیاں

چوہدری اسد اللہ خان

قائداعظمؒ تو ایسا پاکستان چاہتے تھے

"اپنے پاکستان پر فخر کیجئے اور خود کو پاکستان کے لئے وقف کر دیں"



برصغیر ہند میں بیسویں صدی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس صدی کی ابتدا ہی سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نامور لیڈروں نے برطانوی سامراج سے نجات حاصل کرنے کیلئے سنجیدگی سے غور و فکر شروع کر دیا تھا۔ چوتھی دہائی کے شروع میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی جوہر شناس نظر نے سات سمندر پار لندن میں محمد علی جناحؒ کو ڈھونڈ نکالا جو علامہ صاحب کے پرزور اصرار پر ہندوستان تشریف لائے اور مجبور و مقہور اور نادار مسلم قوم کی قیادت سنبھالی۔ جلد ہی ہندوستان کے طول و عرض میں مسلم قوم محمد علی جناحؒ کی بے لوث قیادت کی گرویدہ ہو گئی اور جناح صاحبؒ کو اپنا "قائداعظم" جان لیا۔ "تحریک پاکستان" کی گرم جوشی نے بچوں، جوانوں اور بزرگوں سبھی کے خون کو گرما دیا پھر بھڑکا دیا۔ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد "بٹ کے رہے گا ہندوستان، بن کے رہے گا پاکستان، پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ" کے ایمان افروز نعروں نے سرزمین ہندوستان میں روحانی ارتعاش پیدا کر دیا۔ عزم صمیم کے مالک صاحب کردار قائداعظمؒ نے اپنے قابل رشک جانبازوں کے ساتھ حصول پاکستان کی کوشش میں چالاک انگریزوں، مکار ہندوؤں، وحشی سکھوں اور منافق مسلمانوں سے جو کٹھن لڑائی لڑنی پڑی پھر یہ سچے لوگوں کی سچی کوشش 14 اگست 1947ء کو کیسے بارآور ہوئی۔ اس کو بزبانی قائداعظمؒ نذر قارئین کیا جاتا ہے۔

آپ نے 2 نومبر 1945ء کو جلسہ عام پشاور میں واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا "ہمارا کوئی دوست نہیں ہے، ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے، نہ ہندو بنیے پر۔ ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔" پھر 24 نومبر 1945ء کو مردان میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہمیں ہر قیمت پر پاکستان حاصل کرنا ہے ہم اسی کے لیے جئیں اور مریں گے۔"

فرزانہ روزگار قائداعظمؒ نے ایک تلخ حقیقت کا اظہار 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں یوں فرمایا۔ "ابھی اور بری دیگر چیزوں کے ساتھ خیانت اور اقربا نوازی وغیرہ کی لعنتیں بھی ہمارے حصے میں آگئی ہیں۔ ہمیں ان برائیوں کو بے دردی سے کچل دینا چاہیے۔" بصد افسوس کہ پاکستانی عوام اور حکمرانوں نے بابائے قوم کی نصیحت پر عمل نہیں کیا اور خیانت اور اقربا نوازی نے ہمارے ملک کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

قیام پاکستان کے پہلے دن یعنی 14 اگست 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں قائداعظمؒ نے بیباکانہ طور پر فرمایا۔ "شہنشاہ اکبر نے غیر مسلموں کے ساتھ جو خیر سگالی اور رواداری کا برتاؤ کیا وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے رسول اکرم ﷺ نے کر دی تھی۔ انہوں نے زبان سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان کے ساتھ رواداری برتی اور ان کے عقائد کا احترام کیا۔"

17 اگست 1947ء کو قائد نے اپنی قوم کو ایک بڑا راز ظاہر کرتے ہوئے نصیحت فرمائی:"پاکستان کی سرزمین میں زبردست خزانے چھپے ہوئے ہیں مگر اس ملک کو ایک مسلمان قوم کے رہنے بسنے کے قابل بنانے کیلئے اپنی قوت اور محنت کے زبردست ذخیرے کا ایک ایک ذرہ صرف کرنا پڑے گا۔"

حسب عادت قائدین کو عظیم لیڈر نے 13 جنوری 1948ء اسلامیہ کالج پشاور کے خطاب میں آشکار کیا کہ "ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کیلئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"۔

30 اکتوبر 1947ء کو عظیم قائد نے جلسہ عام لاہور میں اپنی قوم کو کامرانی کا نسخہ کیمیا بتایا اور فرمایا "اگر ہم ہر معاملے میں قرآن مجید سے تحریک اور رہنمائی حاصل کریں تو میں ایک بار پھر کہوں گا کہ آخری کامیابی ہماری ہے، ہماری اور فقط ہماری۔ خدا پر بھروسہ رکھو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو ختم نہیں کر سکتی" 26 مارچ 1948ء کو جلسہ عام چٹاگانگ کے خطاب میں فرمایا "اسلامی اقدار کو اپنانا ترقی کی معراج پر پہنچنے کیلئے ناگزیر ہے" 17

"ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

"ہمیں ہر قیمت پر پاکستان حاصل کرنا ہے ہم اسی کے لئے جئیں اور مریں گے۔"

اپریل 1948ء کو قبائلی سرداروں سے پشاور میں خطاب فرمایا۔ "ہم مسلمان ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں۔ پس ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم ملت کی حیثیت سے بھی ایک ہوں"

24 اکتوبر 1947ء کو پیغام عیدالاضحیٰ میں مخلص لیڈر نے اپنی قوم کو بڑی پتے کی بات بتائی۔ فرمایا "ہم جتنی تکلیفیں سہیں گے اور قربانیاں دیتے رہیں گے اتنا ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت میں ابھریں گے، جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے"

15 جولائی 1946ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر ہمارے قائدؒ نے خوشی کا اظہار یوں فرمایا "مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ پاکستانیوں کو بینک کاری میں تربیت دینے کے منصوبے زیر تکمیل ہیں، میری پُر اشتیاق نگاہیں ان کی ترقی کا مسلسل جائزہ لیتی رہیں گی"

30 اکتوبر 1947ء لاہور میں طلباء سے خطاب میں فرمایا

"ہم ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں۔ پس ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم ملت کی حیثیت سے بھی ایک ہوں"

"آپ نے اگر خود کو زیور تعلیم سے آراستہ نہ کیا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔"

"ہماری قوم کیلئے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ آپ نے اگر خود کو زیور تعلیم سے آراستہ نہ کیا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ خدانخواستہ بالکل ختم ہو جائیں گے"

27 اپریل 1948ء کو کراچی چیمبر آف کامرس سے خطاب میں تاجروں سے فرمایا "تجارت پیشہ حضرات کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جائیگا، میری خواہش ہے کہ پاکستان عالمی منڈیوں میں معیار اور عمدگی کی مثال کی حیثیت سے مانا جائے"

11 جولائی 1946ء جلسہ عام حیدرآباد دکن میں پاکستانی قوم کو ایک انتہائی مخلصانہ مشورہ دیا "میرا آپ کو مشورہ ہے کہ لیڈروں کے انتخاب میں ہمیشہ احتیاط کریں۔ آدھی جنگ تو لیڈروں کے صحیح انتخاب سے ہی جیت لی جاتی ہے"

17 اپریل 1948ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں جلسہ عام میں لوگوں کو ووٹ کی اہمیت بتائی، فرمایا "آپ کا ووٹ قوم کی امانت ہے اسے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر استعمال نہ کیجئے"۔

6 نومبر 1948ء کو جلسہ عام دہلی میں عظیم لیڈر نے اپنی عظمت کا یوں اظہار کیا۔ "میں بھی انسان ہوں مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، لہٰذا ہر شخص کو اختیار ہے کہ میرے کام کے بارے میں مشورہ دے اور اس پر تنقید کرے"۔

14 جولائی 1947ء کو پریس کانفرنس میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کا تصور پیش کیا۔ "پاکستان کی خارجہ پالیسی کی کلید یہ ہو گی کہ دنیا کی تمام اقوام کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات ہوں"۔

25 مارچ 1948ء کو گزیٹڈ افسران سے خطاب میں فرمایا "آپ کو اپنے فرائض خدمت گاروں کی حیثیت سے ادا کرنے ہیں۔ آپ حاکم طبقے میں شامل نہیں۔ آپ کا منصب خدمت گزاری ہے"۔

اپریل 1948ء: مسلم کونسل دہلی میں عورتوں کی تکریم کا یوں اظہار کیا۔ "دنیا میں کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس قوم کے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی آگے نہ بڑھیں"۔

15 جون 1948ء: سبی کی استقبالیہ میں واضح کر دیا۔ فرمایا "اب ہم سب پاکستانی ہیں۔ نہ بلوچی نہ پٹھان نہ سندھی نہ بنگالی نہ پنجابی نہ ... اور صرف پاکستانی کہلوانے پر فخر ہونا چاہیے"۔

3 اپریل 1948ء: کو بری فوج کے جوانوں سے خطاب فرمایا "کبھی نہ بھولئے کہ اتحاد میں بڑی برکت ہے۔ اپنی رجمنٹ پر فخر کیجئے۔ اپنی کور اور اپنے ڈویژن پر فخر کیجئے۔ اپنے پاکستان پر فخر کیجئے اور خود کو پاکستان کیلئے وقف کر دیجئے"۔

11 اگست 1947ء خطبہ صدارت دستور ساز اسمبلی پاکستان میں غریبوں کے خیر خواہ لیڈر نے فرمایا۔ "اگر ہم اس عظیم مملکت پاکستان کو خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں اور بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

24 مارچ 1948ء: ڈھاکہ یونیورسٹی کے خطاب میں قومی زبان "اردو" کی اہمیت کو یوں اجاگر کیا۔ "یہ ایک ایسی زبان ہے جو پاکستان کے طول و عرض میں بولی جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر ایک ایسی زبان جو اسلامی تہذیب و تمدن کی بہترین حیات اور روایات کی کسی بھی صوبائی زبان سے زیادہ عکاسی کرتی ہے۔ یہ دوسرے مسلمان ممالک کی زبانوں سے نزدیک تر بھی ہے" صد افسوس کہ ہمارے احساس کمتری کے مارے حکمرانوں نے اپنی قومی زبان "اردو" کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔

26 ستمبر 1947ء: ریکا ٹیکسٹائل ملز کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا "مجھے امید ہے کہ آپ اپنے کارخانے کی منصوبہ بندی میں کارکنوں کیلئے مناسب رہائش گاہوں اور دیگر ضروری سہولتوں کا خیال رکھیں گے۔ کیونکہ مطمئن مزدوروں کے بغیر کوئی صنعت پھل پھول نہیں سکتی"۔

قیام پاکستان سے ایک ماہ قبل ہی 14 جولائی 1947ء کو قائد اعظمؒ نے پریس کانفرنس دہلی میں اقلیتوں کے تحفظ کے متعلق یقین دلایا کہ "تمام اقلیتوں کو خواہ وہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب فرقے یا گروہ سے ہو مکمل تحفظ دیا جائیگا۔ ان کا دین و مذہب قطعی محفوظ ہو گا انہیں عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہو گی۔ وہ ہر طرح سے پاکستانی شہری ہوں گے"۔

ہمارے بے مثال قائد نے رحلت سے چند روز قبل پاکستان کے ساتھ کشمیر کے تعلق کو یوں واضح کیا "کشمیر سیاسی اور فوجی اعتبار سے پاکستان کی شہ رگ ہے کوئی خوددار قوم یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہ رگ کو دشمن کے حوالے کر دے"

ہمارے بے مثال لیڈر کا تاریخی اعلان بحوالہ عبدالرب نشتر سننے والا مرد مجاہد "خدا کی قسم جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں ہم ہار نہیں مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کیلئے میں اکیلا لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے"

مذکورہ بالا فرمودات قائد سے پتہ چلتا ہے کہ بابائے قوم تو ایک ایسا پاکستان چاہتے تھے جس میں خیانت اور اقربا نوازی نہ ہو۔ جس کی قومی زبان اردو ہو۔ جس کی جمہوریت قرآن اور سنت کے تابع ہو۔ جس میں ہر پاکستانی ملک و قوم کیلئے ہر وقت جان نچھاور کرنے والا ہو جہاں افواج پاکستان ملکی سرحدوں پر ہر لحظہ چوکس و مستعد ہوں۔ جہاں حکمران حقیقی معنوں میں عوام کے خادم ہوں اور پاکستان کی شہ رگ (کشمیر) دشمن سے آزاد کرا لی جائے۔ خدا کرے کہ ایسا ہو جائے۔





خواب

اسے خواب کی تعبیر تو مل گئی لیکن......

فضا میں ایک تیز چیخ کی آواز گونجی تھی۔ منی کا دل دہل کر رہ گیا۔ "یا اللہ خیر......" اس کے منہ سے سلامتی کی دعا نکلی۔ اس وقت گھر میں دو افراد کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ایک وہ اور دوسرے دادا جان......۔

باقی گھر کے افراد ایک شادی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ محلے کے ایک نوجوان کی شادی تھی۔ بارات بسوں پر روانہ ہوئی تھی لہٰذا سب گھر والے بسوں پر ہی بارات کے ساتھ گئے تھے۔ دادا جان کو شور شرابا پسند نہیں تھا۔ شاید یہ اُن کی عمر کا تقاضہ تھا۔ وہ تنہائی کو پسند کرتے تھے۔ گھر میں رعب و دبدبے سے رہتے تھے۔ عالم یہ تھا کہ اُن کی کہی ہر بات گھر میں حرفِ آخر بھی جاتی تھی۔ اگر وہ اصول کے خلاف بھی کوئی بات کہتے تو اس غلط بات کو بھی تسلیم کرلیا جاتا۔ آج تک اُن کے سامنے کسی نے سر اٹھانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ سوائے ایک فرد کے اور وہ کوئی اور نہیں منی تھی۔ اور منی کو اپنے اس عمل کی سزا بھی ملی تھی۔ دادا جان نے ایک تھپڑ سے اُس کی بغاوت کو کچل دیا تھا۔ اُس دن کے بعد سے منی اپنا زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارنے لگی تھی۔ اسے اب بس اپنی تعلیم سے ہی دلچسپی تھی۔ وہ اس وقت بھی دو کل کے ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی کہ اُس کے کانوں سے دادا جان کے چیخنے کی آواز ٹکرائی تھی۔ اب ہو نہیں سکتا تھا کہ دادا جان تکلیف میں ہوتے اور منی ان کی مدد کو نہ پہنچتی۔ وہ فوراً دادا جان کے کمرے کی طرف لپکی۔ دروازہ کھول کر اس نے اندر کا منظر دیکھا تو تڑپ کر رہ گئی۔

دادا جان تپائی کے پاس فرش پر گرے ہوئے تھے اور اُن کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ ابھی ہوش میں تھے، منی کو دیکھ کر وہ دور سے چیخے۔

تم یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ چلی جاؤ یہاں سے...... میں تمہارا چہرہ دیکھوں...... یہ مجھے پسند...... پسند نہیں ہے......" پھر دادا جان کا سر ایک طرف کو ڈھلک گیا۔ وہ نیم بے ہوش ہو چکے تھے۔ منی کا دل کٹ کر رہ گیا۔ آنسو اُمڈ کر اس کی آنکھوں میں آگئے تھے۔ اُسے وہ وقت یاد آگیا تھا۔ جب دادا جان نے اُسے ابو کے ساتھ کار میں سے نکلتے دیکھا تھا۔ پھر تو قیامت آگئی تھی۔ ابو کو بس جھڑکا گیا تھا اور منی کو تو تھپڑ کی چوٹ اپنے رخسار پر اور اپنے دل پر سہنا پڑا تھا۔ دادا جان نے بے ہوش ہونے سے پہلے اُسے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس حکم کو ماننا منی کے لیے ضروری نہیں تھا۔ اس وقت دادا جان کو ابتدائی طبی امداد کی ضرورت تھی۔ دادا جان کو ہسپتال لے کر جانا تھا۔ وہ لڑکی تھی۔ کم عمر تھی۔ لیکن اُسے خود پر اعتماد تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ فرض وہ احسن طریقے سے سرانجام دے سکتی ہے۔ پھر منی اپنے فرض کی تکمیل میں مصروف ہوگئی۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد دادا جان اسپتال کے ایمرجنسی روم میں موجود تھے اور ڈاکٹرز کی ایک پوری ٹیم انہیں ابتدائی طبی امداد دینے میں مصروف تھی۔ گھر کے تمام افراد شادی چھوڑ کر ہسپتال پہنچ چکے تھے اور اب سب نے منی کو گھیر لیا تھا۔

"کیا ہوا...... کیسے ہوا......" لیکن منی تو خود کچھ نہیں جانتی تھی۔ ہوا کیا تھا۔ یہ بات یا تو دادا ہی بتا سکتے تھے یا اللہ بتا سکتا تھا۔ پھر انہیں انچارج ڈاکٹر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ منی کے ابو ڈاکٹر کی طرف لپکے۔

ڈاکٹر مسکرایا اور بولا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک زندگی ہے بچنے کے اسباب بھی ہیں۔ آپ کے والد صاحب کو شدید کرنٹ لگا تھا۔ پھر ہوسکتا ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر ان کا سر پھٹ گیا ہو۔" ابو جی کو فوراً ہی سوئچ بورڈ کے پاس رکھی ہوئی تپائی یاد آگئی۔

"تعریف کے قابل تو آپ کی بیٹی ہے۔ جو انہیں وقت پر ہسپتال لے آئی ورنہ ضعیف عمر اور زیادہ خون بہنے کی وجہ سے جان جانے کا خطرہ بھی موجود تھا......"

ڈاکٹر صاحب تو اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ اب سب نے منی کی طرف دیکھا۔ ابو کے دیکھنے میں فخر کا عنصر شامل تھا۔ پھر جانے کیا ہوا۔ منی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ زار و قطار روئی کہ وہاں موجود سبھی افراد کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"یہی بات...... یہی بات تو میں دادا ابو کو سمجھانا چاہتی تھی۔ لیکن وہ سمجھتے ہی نہیں...... وہ سمجھتے ہی نہیں......"۔ ابو جی نے اسے اپنی مہربان آغوش میں سمیٹ لیا۔

"جو بات وہ تب نہیں سمجھے تھے اب سمجھ لیں گے۔ تم غم مت کرو۔" ابو کی آواز میں بھاری پن تھا۔ منی کے ابو ایک اچھے تعلیم یافتہ انسان تھے۔ وہ ایک سرکاری ادارے میں ملازمت کرتے تھے۔ حکومت کی طرف سے انہیں رہائش کے ساتھ ساتھ ایک گاڑی بھی ملی تھی۔ منی اپنے ابو کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ روزانہ اپنے ابو کے ساتھ اس گاڑی پر سکول جاتی تھی۔ پھر اس کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خواہش جنون بننے لگی۔ پھر وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگی۔ لیکن دل کی بات ابو سے کہتے ہوئے وہ ڈرتی تھی۔ پھر ایک دن ہمت کرکے اس نے بات سے بات نکالی۔ اس وقت دونوں باپ بیٹی سکول کی طرف سفر کر رہے تھے۔ اسے سکول چھوڑنے کے بعد ابو کو اپنے دفتر جانا تھا۔

"ابو جی...... اتنی بڑی سڑک...... اطراف میں بہت سی گاڑیاں...... آپ کو گاڑی چلاتے ہوئے ڈر نہیں لگتا......" ابو ہنس پڑے۔

"منی بیٹا...... زندگی توازن کا نام ہے۔ اگر ہم سب توازن میں رہیں گے تو کبھی حادثہ نہیں ہوگا......"

"ابو جی گاڑی چلانا کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے نا......" منی اپنے مطلب کی بات پر آرہی تھی۔

"نہیں بیٹا...... یہ تو کل پرزوں کی ایک مشین ہے۔ اگر آپ کو توازن پر قابو پانا آجائے تو اسے کوئی بھی چلا سکتا ہے......"

"کیا میں بھی چلا سکتی ہوں......"۔ منی نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"ہاں کیوں نہیں......" منی خوش ہوگئی۔ ابو تو فوراً ہی مان گئے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے منی کے جذبوں پر اوس پڑ گئی۔

"لیکن ابو میں نے تو ایک خواب دیکھا ہے کہ میں گاڑی چلا رہی ہوں۔ اور آپ میری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"تمہارا خواب ضرور پورا ہوگا بیٹا......"۔ ابو مسکرا دیئے۔ وہ اپنی پیاری بیٹی کی دلی کیفیت کو سمجھ رہے تھے۔ جس خواہش کی تکمیل ان کے اختیار میں تھی۔ اس کے لیے وہ اپنی بیٹی کو تڑپتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر چھٹی والے دن وہ اپنی بیٹی کو ڈرائیونگ کی تربیت دیا کریں گے۔ پھر وہ دن بھی آیا جب چھٹی والے دن ابو منی کو سیر کا بہانہ کرکے شہر سے باہر ایک ویران سڑک پر لے آئے اور پھر منی کو اپنی سیٹ پر بٹھا دیا۔

"لو منی بیٹا آج سے تم اپنے خواب کی تعبیر پانے کے لیے پہلا قدم اٹھاؤ گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور پہلا سبق یہ ہے کہ اپنی نہیں...... دوسرے کی ڈرائیونگ پر نظر رکھنے کا نام ہی ڈرائیونگ ہے......" خوشی کے جذبات سے منی اس وقت بھی رو پڑی تھی۔ اور پھر ٹھیک تین ماہ بعد منی کو اس وقت بھی رونا پڑا تھا۔ جب وہ ڈرائیونگ میں ماہر ہو چکی تھی اور وہ کار چلا رہی تھی اور ابو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور پھر جیسے ہی کار گھر کے بیرونی گیٹ میں سے گھر کے اندر داخل ہوئی۔ دادا جان نے منی کو کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھ لیا۔ ابو اور منی کا خیال تھا کہ دادا جان خوش ہو گئے۔ لیکن ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"یہ بیٹی ہے۔ کل کو اس کی شادی ہو کر اسے اگلے گھر جانا ہے۔ تم اپنی بیٹی کی یہ تربیت کر رہے ہو" دادا جان سخت آواز میں بولے۔

"اس میں کیا برائی ہے ابا جی...... یہ تو سیکھنے کا عمل ہے کوئی بھی ہنر سیکھنا برا نہیں جاتا......" منی کے ابو نے کمزور سا دفاع کیا۔

"جس راستے پر تم اپنی بیٹی کو لے جا رہے ہو وہ ہمارے گھر کی تہذیب نہیں ہو سکتی۔" دادا جان نے ابو کو ڈانٹ دیا۔ ایسے میں منی نے کچھ کہنا چاہا تو دادا جان کے ایک تھپڑ نے اس کی زبان بند کر دی۔

"خاموش...... نالائق...... یہ کام لڑکوں کے ہیں......" منی کو تھپڑ کی اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ جتنا اسے خود کو لڑکی کہا جانے پر ہوئی تھی۔ پھر وہ خاموش رہنے لگی۔ اب اس کا کمرہ ہی اس کی دنیا تھی۔ جب نظریات میں اختلاف ہو تو مناسب وقت آنے تک خاموشی اور صبر میں ہی بھلائی ہوتی ہے۔

اور پھر دادا جان کے ساتھ یہ حادثہ ہو گیا۔ رات کے آخری پہر دادا جان کو ہوش آگیا۔ گھر کے تمام افراد ان کے اطراف میں جمع تھے۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ سب خوشی کے عالم میں ان کی طرف بڑھے لیکن انہوں نے اشارے سے سب کو روک دیا۔ اب وہ خالی خالی آنکھوں سے چھت کو گھور رہے تھے۔ یوں جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ رفتہ رفتہ ان کے ذہن پر پڑی دھند چھٹ رہی تھی۔ انہیں سوئچ بورڈ سے کرنٹ لگا تھا۔ پھر لکڑی کی تپائی سے ان کا سر ٹکرایا تھا۔ پھر منی آئی تھی۔ پھر انہوں نے منی کو ڈانٹ دیا تھا۔ پھر ان پر سونے جاگنے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ منی نے دوڑ کر پڑوسی کو بلایا تھا۔ پھر پڑوسی کی مدد سے دادا جان کو اٹھا کر کار میں لٹایا تھا۔ اور پھر پوری مہارت سے کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہ دادا جان کو لے کر اسپتال پہنچ گئی تھی۔ اب دادا جان کو یاد آرہا تھا کہ کار چلاتے ہوئے وہ اپنے دادا جان کے حوالے سے کتنی پریشان تھی۔ اس کا بار بار دادا جان کو ہاتھ لگا کر دیکھنا، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا...... اور پھر اسپتال پہنچ کر چیخ چیخ کر ڈاکٹروں کو مدد کے لیے بلانا۔ "میرے دادا جان کو بچاؤ...... میرے دادا جان کو بچاؤ......"۔ دادا جان کی آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کے موتی پھسلنے لگے۔ اسے ان کی کتنی فکر تھی۔ اور انہوں نے تہذیب کے نام پر اپنی بچی کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ کیسے اس کے جذبات کو کچلا تھا۔ آج دادا جان کو سمجھ آیا تھا کہ لڑکی اور لڑکے کے اپنے اپنے حقوق ہوتے ہیں۔ بات صرف سمت اور شعور کی ہوتی ہے۔

پھر دن کا آغاز ہوا۔ دادا جان کو اسپتال سے چھٹی مل چکی تھی۔ جب اسپتال سے باہر نکلے منی کے ابو پارکنگ سے اپنی کار نکال لائے تھے۔ منی کے ابو کو کار میں بیٹھا دیکھا تو دادا جان نے ایک نیا حکم سنایا۔

"نیچے اترو......"۔ وہ فوراً ہی کار میں سے نیچے اتر آئے۔

"منی...... منی......" دادا جان اپنے مخصوص لہجے میں زور سے بولے۔

"جی دادا جی......" منی فوراً سامنے آگئی تھی۔

"ہمیں گھر لے چلو......" دادا جان رو پڑے تھے۔

"جی دادا جی......" منی دادا جان سے لپٹ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔

"جی دادا جی...... جی دادا جی...... جی دادا جی......"۔ جب بڑوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے تو پھر معافی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ بس پھر چھوٹوں کی حوصلہ افزائی ہی بہت ہوتی ہے اور اب اس حوصلے کا حوصلہ منی کو مل گیا تھا۔



ڈاکٹر سعید احمد شیخ

14 اگست 1947ء

کچھ یادیں۔ کچھ باتیں

بچو! میری ان بوڑھی خوش نصیب آنکھوں نے 14 اگست 1947ء کو مشرق کی خوش نظر بادیوں سے آزادی کا سورج طلوع ہوتے دیکھا تھا۔ ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ پاکستان مخالفتوں کے باوجود معرض وجود میں آ گیا۔ مصور پاکستان شاعر مشرق محترم امر خودی حضرت علامہ اقبالؒ کا حسین خواب خوبصورت تعبیروں سے ہمکنار ہو گیا فضائیں خوبصورت تقریروں سے گونج اٹھیں۔ سبز ہلالی پرچم ہواؤں میں لہرائے۔ بچو! یہ وطن لاکھوں قربانیوں کا ثمر ہے۔ اس کی بنیاد نظریہ پاکستان اور شہیدوں کا خون ہے جو شمع آزادی پر قربان ہو گئے اور اپنے خون سے جرأت و شجاعت کی امر کہانیاں تحریر کر گئے۔

پاکستان کا قیام ایک معجزہ ہی تو تھا۔ جسے سب دنیا نے دیکھا۔ پاکستان بنا تو ہندوؤں کے گھروں میں سوگ اور ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ وہ لوگ قیام پاکستان کے شدید مخالف تھے۔

ریڈیو پر قیام پاکستان اور آزادی کا اعلان میں نے ضلع لدھیانہ کے ریڈیو پر سنا۔ خوشی کی انتہا تھی۔ قربانیاں رنگ لائیں۔ حضرت قائداعظم بانی پاکستان محمد علی جناحؒ نے اپنے دلائل اور حکمت عملی سے قیام پاکستان کو ناگزیر بنا دیا تھا۔ یوم آزادی کے بعد مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لاکھوں مسلمان جام شہادت نوش کر گئے۔ لاکھوں مسلمان ہجرت پر مجبور ہوئے۔ میں بھی اپنے بچے کھچے خاندان کے ساتھ ہجرت کے کارواں کا حصہ بنا۔ پیدل چلتے چلتے پانچ روز کے سفر کے بعد میں سرحد پار کر کے قصور کے مہاجر کیمپ پہنچا۔ اس دن لوگ عید قربان منا رہے تھے۔

بچو! یہ وطن پیارا وطن آسانی سے نہیں ملا تھا۔ اب سے تم اس وطن کے وارث اور محافظ ہو۔ شمعیں روشن کرتے ہوئے آگے بڑھو۔

وطن ہم ہیں تیری شمع کے پروانے میں زندگی ہم میں ہے جوش ہے ایمانوں

14 اگست 1947ء کے واقعات آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ یہی یادیں میرا قیمتی سرمایہ ہیں۔

ہجرت 1947ء کا ایک ناقابل فراموش واقعہ

زخموں سے چور میرے والد صاحب ہجرت میں میرے ساتھ شریک سفر ہیں۔ پینے کا پانی نایاب ہے۔ پیاس کی وجہ سے بار بار نڈھال ہو کر گر پڑتے ہیں۔ ان کی زندگی کو شدید خطرہ ہے۔ اچانک ایک کنواں نظر آتا ہے۔ میں کنویں کی منڈیر پر پانی لینے پہنچا۔ کنویں میں جھانک کر دیکھا تو اس میں مسلمانوں کی لاشیں تیر رہی تھیں۔ پانی کا رنگ شہیدوں کے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ اسی ڈول میں خون آلود پانی اوپر کھینچا۔ اسی خون سے ابا کے پژمردہ ہونٹ تر کیے تو ابا کو طراوت ہوئی اور پھر چلنے کے قابل ہوئے۔ پانی شفاف تو نہ تھا لیکن ابا کے لئے آب حیات ثابت ہوا۔ گرتے پڑتے ہجرت کا مشکل سفر آگ اور خون کا یہ سفر طے کر لیا۔ سرزمین پاک پر قدم رکھا۔ خاک وطن کو چوما۔ ان کا باقاعدہ علاج ہوا وہ صحت یاب ہو گئے۔ تحریک پاکستان کے یہ کارکن 1974ء تک بقید حیات رہے۔ ہمیں پالتے رہے۔ ہمیں علم و ہنر کے مراحل طے کراتے رہے۔ وہ ہمیں داغ مفارقت دے گئے ہم زندہ سلامت ہیں۔ ان کی یادیں بار بار آتی ہیں۔ ان کے سائے میں گزرا ہوا وقت ہر وقت یاد رہتا ہے۔ انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کامیابیاں ہمارے قدم چومتی ہیں۔ مرحوم و مغفور ہستی ہمیں زندگی کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ کر گئی۔ مشکل گھڑیاں بیت گئیں یہ سفر ابھی جاری ہے۔ ان کی دعائیں شامل حال ہیں۔ ان کا سفر حیات ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

پاکستان کا یہ غازی آج ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ اسے حضرت قائداعظمؒ سے دو ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا۔ میرے پیارے والد آج شورکوٹ کے معروف قبرستان حاجی قاسم میں آسودہ خواب ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں حضرت قائداعظمؒ کی قیادت میں کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہ جدوجہد آزادی کے قصے بیان کرتے ہیں تو فخر سے بلند ہو جاتے تھے۔

میری دلی خواہش ہے کہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی اولاد کی پرورش انہی بنیادوں پر کروں جیسے مرحوم والد نے میری تربیت کی تھی۔ میرے بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ محب وطن ہوں۔

ہماری نئی نسل میں جذبہ خدمت ملک و ملت میں اضافہ ہو جائے تو وطن اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بن سکتا ہے۔ وطن کے بزرگوں کی قربانیوں نے ہمیں ایک آزاد اور خودمختار وطن دیا۔ اس کی حفاظت اب نئی نسل کی ذمہ داری ہے۔

یاد کرتا ہے زمانہ ان ہی انسانوں کو روک لیتے ہیں جو بڑھتے ہوئے طوفانوں کو







کیا آج آپ وقار کی طرح محسوس کرتے ہیں؟

کیپٹن، موتی اور میں

مجھے یوں لگا کہ جیسے امرتسر کے خونی سکھ دوبارہ زندہ ہو گئے ہوں...... مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آزادی جسے نئی نسل مفت کی کوئی چیز سمجھتی ہے انتہائی مشکلوں اور قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی اس وقت میری عمر بمشکل صرف گیارہ سال تھی جب پہلی بار میں نے پاکستان کا نام سنا۔

میں نے بابا سے پوچھا: "یہ پاکستان کہاں ہے بابا؟"

"کچھ ہی فاصلے پر، یہ دین رحمت خلوص اور چاہتوں کا گھر ہوگا جہاں کوئی لڑائی نہیں ہوگی...... ہم آزادی سے سانس لیں گے۔ جہاں نہ ہندو حکمران ہوگا اور نہ انگریز حاکم ہوگا۔"

بابا کی بات سن کر بس اسی دن سے پاکستان میرے لیے خوابوں کا نگر بن گیا۔

ہمارا گاؤں امرتسر کے نواح میں تھا۔ پاکستان کی طرف لوگ ہجرت کرنے لگے تو بابا نے ارادہ کیا کہ صبح ہم لوگ لاہور کی طرف پیدل سفر کریں گے مگر اس رات قیامت گزری سکھوں کے ایک دستے نے حملہ کر کے بابا کو تلواروں سے کاٹ دیا۔ ساتھ امی کو بھی، باجی نے مجھے لاشوں کے بیچ چھپایا اور خود کنویں میں کود گئیں کیونکہ خونخوار سکھوں نے انہیں گھیر لیا تھا اتنی لاشوں کے بیچ میں صبح تک دبکا رہا...... صبح کیپٹن آ گیا...... پتہ نہیں اس کا اصل نام کیا تھا مگر سبھی اسے کیپٹن کہتے تھے۔ وہ ہر وقت خاکی وردی میں رہتا تھا جو اس پر خوب جچتی تھی۔

"بیٹے باہر آؤ۔"

اس نے مجھے زندہ دیکھ کر کہا۔ "تمہیں وہ مار ڈالیں گے۔"

میں خوفزدہ تھا۔

"میں ہوں نا...... اور پاکستان نہیں جانا ہے۔" وہ بولا۔

تو میری آنکھوں میں خواب اتر آئے۔

میں نے ہولے سے سر ہلایا اور اس نے مجھے گلے سے لگا کر پیار کیا۔ ہم نے اسی وقت امرتسر سے لاہور کی درمیانی خونی پٹی کو پھلانگنا شروع کر دیا کہ یکدم کیپٹن رک گیا......

اس نے اپنا سر زمین سے لگا دیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔

یکدم اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ سیدھا ہو گیا۔

"وکی" اس نے مجھے پکارا میرا پورا نام وقار تھا سبھی پیار سے وکی کہتے تھے۔

"جی انکل"

"تم موتی کے ساتھ نکلو...... میں نے اگر اس دستے کو نہیں روکا تو یہ تمہیں بھی مار ڈالیں گے...... جاؤ...... موتی، وکی کا خیال رکھنا۔"

موتی اس کالے کتے کا نام تھا جو اس کا پالتو تھا۔ موتی نے شاید جدائی کے لمحات کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ کیپٹن کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ اس کے پیروں کو چاٹنے لگا۔

"موتی جاؤ...... وہ قریب آ گئے ہیں......" کیپٹن چلایا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے موتی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ کیپٹن نے اسے گلے سے لگایا...... اور آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے رخصت کیا......

کیپٹن دیر تک ہمیں دیکھ کر ہاتھ ہلاتا رہا۔ اس دن کے بعد میں نے کبھی کیپٹن کو نہیں دیکھا۔ یقیناً اس نے میری خاطر وطن کی مٹی کا قرض چکا دیا ہوگا اپنے لہو سے!!!۔

ہم دو دن تک پیدل بھوکے پیاسے پاکستان کی طرف سفر کرتے رہے۔ بھوک تو تھی ہی...... مگر پیاس سے زبان تک اب چٹخنے لگی تھی۔ موتی کا بھی برا حال تھا کہ

یکدم سامنے ایک کنواں نظر آیا میں نے دوڑ کر جلدی سے ڈول ڈالا اور پانی پینے کے لئے نکالا ہی تھا کہ موتی زور زور سے بھونکنے لگا۔ چھلانگیں لگانے لگا۔ جیسے وہ مجھے پانی پینے سے روکنا چاہتا ہو۔

مگر میں سمجھا کہ شاید اسے مجھ سے بھی زیادہ پیاس لگی ہے۔ میں نے پانی کا ڈول اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے

میری طرف عجیب نگاہ سے دیکھا۔ میرے قدموں میں دو پل کے لئے لوٹا اور پانی پینے لگا......

یکدم وہ زور سے غرایا پیچھے ہٹا اور گر پڑا...... ساتھ تڑپنے لگا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا۔

"کیا ہوا موتی، کیا ہوا......؟" اچانک موتی کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ "زہر" میں چیخا اور لرز اٹھا تب مجھے یاد آیا کہ سکھوں اور ہندوؤں نے پاکستان کے راستے جانے والے ہر راستے پر واقع کنوؤں میں زہر ملا دیا تھا۔

موتی نے زہر ملا پانی پی کر اس نے مجھے بچا لیا۔

پہلے کیپٹن اور اب یہ وفادار کتا......!!!۔

اس کی قربانیوں کا بوجھ آج بھی میں پاکستان میں بیٹھا محسوس کرتا ہوں۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں؟ کیونکہ یہاں ہر طرف خون دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ جیسے امرتسر کے وہ سکھ دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں......!!!۔



آج اسے اپنے خواب کو حقیقت میں بدلنے کا موقع مل گیا تھا

اے جذبۂ دل

سدرہ محمود خان

ایئرفورس میں جانا اس کا خواب ہی نہیں اس کی زندگی کا اہم مقصد بھی تھا۔ رات کی تنہائیوں، تاریکیوں میں، دن کے لطیف اجالوں میں اُسے ایک ہی سپنا دکھائی دیتا تھا جو اس کی زندگی کا حاصل ہوتا تھا۔ جس کو پانے کے لئے وہ شاہراہِ زیست کا لمحہ لمحہ گزار رہا تھا۔

مجھے یاد ہے وہ دن اچھی طرح جب [illegible] کے کمرے میں بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ "ایک منٹ عدیل بھائی! صرف ایک منٹ میں ابھی آیا"۔ وہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میں حیرت سے اسے جاتا ہوا تکنے لگا کہ ایسا اچانک سے کیا ہو گیا؟ لیکن وہ چند لمحات بعد واپس آ گیا۔ میرے لئے ساری بات سمجھنا آسان ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب و غریب قسم کی چمک تھی۔ جیسے اسے کوئی طاقت مل گئی ہو۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"یار کہاں چلے گئے تھے؟"۔ میں نے پوچھا۔

"وہ عدیل بھائی کل 6 ستمبر ہے نا۔ تو آپ میرے ساتھ نمائش دیکھنے چلیں گے"۔ اس نے بات کو بہت اچھی طرح سے بدلا تھا۔ حالانکہ میں جان گیا تھا کہ وہ چھت پر پاک ایئرفورس کے جہازوں کی پرواز دیکھنے گیا تھا۔ مگر وہ اپنا جذبہ کسی پر عیاں نہ ہونے دیتا۔ میں نے اس کے شوق اور مان کی خاطر ہامی بھر لی۔

وہ بچپن سے ہی کاغذ کے جہاز بناتا اور پھر انہیں اڑاتا۔ اگر کوئی پاک فوج کے جہاز کی پرواز گزرتی تو وہ چھت پر جا کر آسمان کی طرف نگاہیں کرتا اور پاک فضائیہ کے جہاز کو سیلوٹ کرتا۔

کہتے ہیں جذبہ سچا ہو، لگن سچی ہو تو منزل خود بخود مل[illegible]تی ہے۔ اخبارات، رسالوں وغیرہ [illegible] کی تصویر، [illegible] اگر ان کے متعلق ہوتا تو وہ محبت [illegible] کاٹ کر ڈائری میں لگاتا۔

میٹرک کے امتحانات میں بورڈ میں پہلی پوزیشن لی تو میں نے کہا۔ "یار [illegible] تحفہ لو گے؟"۔

"میں جو مانگوں گا آپ [illegible] دیں گے؟"۔ آج پہلی بار اس نے مجھ سے کچھ مانگا تھا۔

"ہاں تو آپ مجھے میری منزل میں [illegible] کی دعا کا تحفہ دیں"۔ میں ایک پل کو حیران رہ گیا کہ یہ کس قسم کا تحفہ ہے۔

میٹرک کرنے کے بعد ایف ایس سی میں داخلہ لے لیا تو اور زیادہ محنت کرنے لگا۔ اپنے خواب کی تکمیل کیلئے جسے بچپن سے اپنی آنکھوں میں سجایا ہوا تھا۔

ایف ایس سی پاس کرنے کے بعد ایئرفورس کیلئے اس نے اپلائی کیا۔ وہ دن اس کی زندگی کا بہترین دن تھا۔ جب اسے ٹیسٹ کے لئے خط موصول ہوا۔ کہنے لگا۔ "عدیل بھائی میں بھی ان شاء اللہ راشد منہاس شہید کی طرح کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دوں گا۔ اس خاکِ وطن کا قرض مجھ پر باقی ہے"۔

تربیت کے دوران اس کی غیر معمولی جرأت، بہادری کسی بڑے کارنامے کا پیغام دیتی تھی۔

وہ کہتا "عدیل بھائی! بہت سے لوگوں کی طرح میں نے ایئرفورس کو محض اس لئے منتخب نہیں کیا کہ مجھے یہ وردی پُرکشش لگتی ہے۔ نہیں! بلکہ میں اس میں آ کر دشمن پر زیادہ بہتر طریقے سے وار کر سکتا ہوں۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری کچھار شیروں سے بھری ہوئی ہے۔ گیدڑوں کے لئے یہاں دیکھنا موت کو دعوت دینا ہے"۔

20 فروری 2003ء کو جب پاک فضائیہ کے ایئر چیف مارشل مصحف علی میر اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر سنی تو وہ دو دن تک اپنے کمرے سے ہی باہر نہ نکلا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی کوئی چیز کھو گئی ہو۔

15 جنوری

اللہ جی! آپ تو میرے جذبے سے آگاہ ہیں میرے خواب کو حقیقت کا رنگ دے دیں۔ ایئرفورس میرا خواب ہی نہیں میری زندگی کا مقصد بھی ہے۔ دشمن جو اپنا گھر ہمیں دے کر ہماری قوم کو میٹھی نیند سلانے کے چکر میں ہے۔ میں اس کے ارادے خاک میں ملانا

جاتا ہوں۔ میری قوم بہت بہادر ہے مگر میں نے سنا ہے۔ "ایک ملک کے سب سے بڑے دشمن اسی کے غافل باشندے ہوتے ہیں" تو ایسی حالت میں میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنی قوم کو جگاؤں از زین۔

30 مئی

یا اللہ! مجھے اپنے پیاروں میں یاد رکھنا اور آ پکو میرا مقصد یاد ہے نا؟ مجھے ایسا لگتا ہے میری منزل قریب آ رہی ہے۔ میرا خواب حقیقت میں ضرور بدلے گا اور میں ثابت کرسکوں گا کہ میں سچا پاکستانی ہوں۔ زین۔

6 ستمبر

آج 6 ستمبر ہے میں پی اے ایف ایئر میں شو تماشہ دیکھنے گیا۔ ہمیشہ کی طرح میری ڈائری میرے ساتھ تھی۔ وہاں ایک ونگ کمانڈر سے میں نے آٹو گراف لیا۔ انہوں نے لکھا تھا

Be a proud Pakistani

راشد منہاس کو جتنا زین پسند کرتا تھا اس کی داستان بھی کم و بیش راشد منہاس جیسی تھی۔ تربیت کے آخری چند روز باقی تھے۔ اختتامی پروازیں ہو رہی تھیں۔ وہ بھی اپنی معمول کی پرواز پر تھا۔

اچانک وہ فضائی حدود سے باہر نکلا جا رہا تھا۔ اس کی نظر آسمانوں میں کہیں دور تھی' یہی تو وہ لمحہ تھا جس کے لئے اس نے اتنا لمبا سفر کیا۔ جس کے لئے اس نے پاک فضائیہ کا انتخاب کیا جس کے لئے اس نے دعائیں کیں تو آج بھلا وہ اپنی قوم اپنے وطن کو مایوس کیوں کرتا؟۔

پاکستانی حدود میں بھارتی طیارہ داخل ہوا تھا خفیہ رپورٹنگ کیلئے۔ اس نے جان کی پرواہ کیے بغیر اپنا جہاز اس کے ساتھ ٹکرا دیا۔

ایئر بیس پر اس کا آخری پیغام آیا تھا۔ "سر ایک گیدڑ نے شیروں کی کچھار میں منہ مارنے کی کوشش کی ہے اسے اس کے انجام تک پہنچانا میرا فرض ہے"۔

آج زین کو شہید ہوئے پانچواں روز ہے۔ اس کی ڈائری میرے ہاتھ میں ہے۔ .... میں مختلف صفحات کو دیکھ رہا ہوں۔ میری نظر اس شعر پر رک گئی جو غالباً اس کی شہادت سے چند روز پہلے ہی لکھا گیا۔ وہ صرف ایک شعر تھا۔

اے دل کی خلش چل یونہی سہی چلتا تو ہوں ان کی محفل میں
اس وقت مجھے چونکا دینا' جب رنگ پہ محفل آ جائے

☆☆☆



پیارا پاکستان

ہمارا پاکستان پیارا

جان سے زیادہ پیار ہے اس سے
دل کو ملا قرار ہے اس سے
دہر میں ایک وقار ہے اس سے
اس سے اپنی شان
ہم سب کی آنکھوں کا تارا پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس دنیا میں اپنی اللہ کا انعام
اس کی بنیاد اور جڑیں ہے دین اسلام
کی صورت پایا اللہ کا پیغام
یہ صدقۂ قرآن
اللہ کی رحمت اشارہ پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
ہم کو کتنا ناز ہے پاید ہم پاکستانی
اس کے دم سے دنیا لے ہے قوم پہچانی
پاک وطن محبوب ہمارا پاک وطن دل جانی
ہے پیام نشان
دنیا میں ہے راج دلارا پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
اس کے دریا صحرا میداں خوب حسیں دنیا میں
اس کے سب پہاڑ ہیں سونے کے نگیں دنیا میں
جن ہمارے دیس کے پایا کوئی نہیں دنیا میں
یہ ہے عالی شان

میرے لئے جنت کا نظارا پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
مایوسی میں دیس بنا امید اجالا روشن
ساری دنیا میں ہی اس کا کردار روشن
اللہ نے کر ڈالا اس کا بول ہے بالا روشن
نور کی ایک چٹان
رات میں بھی ہے نور کا دھارا پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
پاکستان زمانے بھر میں اپنا حفظ امان
پاکستان ہی دل ہمارا ہے یہ ہی جسم جان
اس کے دم سے رب نے بخشی دنیا میں پہچان
اس سے اپنی آن
بھنور میں کشتی کا ہے کنارا پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان
میرے پیارے اللہ رکھنا اس کو سدا سلامت
اس کے دم سے اپنی عزت اس سے اپنی شوکت
اس سے پائی سب دنیا میں اپنی قوم نے عظمت
یہ اپنی سب شان
رکھنا قائم سدا خدارا پیارا پاکستان
پیارا پاکستان ہمارا پیارا پاکستان

ریاض احمد قادری فیصل آباد

☆☆☆



ہمیں آج بھی تحریک پاکستان والے جذبے سے کام لینے کی ضرورت ہے

آزادی کے اڑسٹھ سال

کوئی قوم اور ملک اس وقت ترقی نہیں کرسکتا جب تک ملک و قوم کے نوجوان اس کی کایا پلٹنے میں اہم کردار ادا نہ کریں۔ جس قوم کے نوجوان جتنے غیور، باہمت اور واستقلال کا پہاڑ ثابت ہوں گے وہ اسی طرح ترقی کی منازل طے کرتی ہوئی ماضی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلتی ہوئی تابناک مستقبل کی طرف رواں دواں رہے گی لیکن اس کے برعکس جس قوم کے نوجوان کاہل و کام چور اور سست ہوں گے وہ اسی قدر پسماندگی اور ذلت کا شکار ہوگی۔

14 اگست 2015ء کو مملکت پاکستان 68 برس کا طویل عرصہ مکمل کر رہی ہے۔ ان 68 سالوں میں پاکستان نے پوری دنیا میں خود کو عدل و انصاف کا ایک اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ کرہ ارض کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لئے اس نے اسلامی ورلڈ آرڈر کا نظام پیش کیا۔ کئی مملکتوں پر اس نے اسلام کا سکہ جاری کیا ہوا ہے۔ ساری دنیا پاکستان کو ایک امن پسند، علم و فنون کا مرکز جدید ٹیکنالوجی اور معاشی اقتصادی طاقت کا حامل ایک ممتاز عالمی ایٹمی طاقت گردانتی ہے۔ پاکستانی عوام کو رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شعور و آگہی سے مالا مال علوم و فنون کی ماہر اور اعلیٰ اخلاق کی حامل قوموں کی صف اول میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ مگر ان ساری خوبیوں کے باوجود اگر آج سے پہلے 68 سال کی تاریخ کو دیکھا جائے تو عبرت ناک واقعات سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

14 اگست 1947ء کی صبح بڑی سہانی تھی۔ ہر کوئی خوشی کے عالم میں سرشار تھا، سورج اپنی پوری آب و تاب سے افق پر طلوع ہو رہا تھا۔ اک کرن مسلمانوں کو ان کی ایک طویل اور صبر آزما کاوش کے بعد ایک بہت بڑی آزادی کی خوش خبری دے رہی تھی کیونکہ آج صدیوں بعد حق باطل سے جدا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کو پاکستان کی صورت میں اپنا ایک علیحدہ وطن مل رہا تھا جہاں وہ اپنی آزادی سے اپنے مذہب اپنی ثقافت اپنی زبان کا کھلے عام اظہار کرسکتے تھے مگر ہندو بنیا یہ دیکھ کر اندر ہی اندر جل رہا تھا۔ سازشی شیطانی ذہن اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

مسلمانوں کا ناحق خون بہایا گیا۔ ہندوؤں نے سکھوں کو اپنا آلہ کار بناتے ہوئے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دیا۔ معصوم اور بے گناہ بچوں کو نیزوں پر اچھالا گیا۔ لاکھوں نوجوانوں کے سینوں پر گولیاں چلائی گئیں۔

آخر یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا جس کی وجہ سے یہ سب ہوا؟ مسلمانوں نے ایک علیحدہ وطن حاصل کر لیا تھا۔ جس کی انہیں سزا دی جا رہی تھی۔

اب ہمارے ملک پاکستان کو آزاد ہوئے اڑسٹھ سال کا عرصہ گزر رہا ہے۔ اس عرصے میں ہمارا یہ پیارا وطن مختلف نشیب و فراز سے گزرا مگر افسوس جس مقصد کے لئے علیحدہ وطن حاصل کیا گیا تھا اس کا حق ادا نہیں ہوا۔ جس نظام کو بنیاد بنا کر یہ ملک پاکستان حاصل کیا گیا وہ نظام مکمل طور پر نافذ نہ ہوسکا۔ جب پاکستان آزاد ہوا تھا تو کسی نے قائداعظمؒ سے پوچھا تھا کہ آپ اس ملک میں کیا نظام نافذ کریں گے تو قائداعظمؒ نے فرمایا تھا۔ ”میں کون ہوتا ہوں اس ملک میں نظام نافذ کرنے والا کیونکہ یہ اسلامی ملک ہے اور اس کا نظام قرآن و سنت ہے۔“ لیکن افسوس کہ قائداعظمؒ کا وہ خواب پورا نہ ہوسکا مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی گوشہ زمین ہے جس کا خواب اقبالؒ نے دیکھا تھا۔ قائداعظمؒ نے اس کو حقیقت کا روپ دیا تھا برائیوں میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اطاعت و فرماں برداری اور عجز و انکسار نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ غریب ”نادار“ بے کس و لاچار غربت کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ظالم ظلم کرنے میں دیر نہیں کرتا۔

آج کی موجودہ صورت حال کو دیکھا جائے تو 14 اگست 2015ء - 14 اگست 1947ء سے پہلے والے جذبے کی طرح قربانی مانگتی ہے۔ کشمیر آزادی کی دہلیز پر کھڑا ہے اور یہ آزادی اسی وقت ملے گی جب آج سے اڑسٹھ سال پہلے والا جذبہ ہوگا۔

یاد رکھو پیارے ساتھیو! زندگی ہمیشہ آپ کا ساتھ نہیں دے گی۔ اس کے ساتھ الفت استوار نہ کرو۔ عدل و انصاف، الفت و مروت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ کیونکہ کل آپ ہی نے ملک کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے۔ محنت کرو محنت سے انسان عظیم سے عظیم تر ہوتا ہے۔

آیئے یوم آزادی کے موقع پر عہد کریں کہ اس ملک کو عظیم سے عظیم تر بنانے کا قائداعظمؒ کا خواب پورا کرنا ہے۔ ملک سے معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ عریانی، فحاشی کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ ہر بات کو اسلامی قوانین کے پیمانے پر پرکھنا ہے ہر لمحے ملکی ضرورت کے مطابق قربانی دینے کے لئے تیار رہنا ہے۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس پر آزادی کا دارومدار ہے۔ ملک کی بہتری کے لئے سوچنا ہے۔ اگر یہ چند باتیں ہمارے پیارے ملک کے معاشرے کے اندر آجائیں تو معاشرہ بہتر سے بہتر ہوسکتا ہے۔ ہمارا معاشرہ بہتر ہوگا تو قوم ترقی کرے گی۔ قوم کا معیار زندگی بلند ہوگا جب قوم ترقی کرے گی تو یقیناً ملک خوشحال ہوگا اور ایسا خوشحال ہوگا جہاں غریب مظلوم بھی یہ کہے گا کہ میرے معاشرے نے مجھے اپنا فرد سمجھتے ہوئے میرا حق دیا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ اس لئے کہ میرا ملک مجھے عزیز ہے اور یہی آزادی کی اڑسٹھویں سالگرہ کا پیغام ہے۔



سید تابش الوری (تمغہ امتیاز)
شاعر، سابق ایم پی اے
بہاولپور

یہ آنچل میرا ہے۔ اس کی خوشبو ہر سو
پھیلانا ہوگا





شاہد صدیقی
وائس چانسلر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد

محنت کا کوئی بدل نہیں

۲۴ اپریل ۲۰۱۵



علی حسن ساجد
سینئر ڈائریکٹر میڈیا
بلدیہ عظمیٰ کراچی
لکھاری، سوشل ورکر

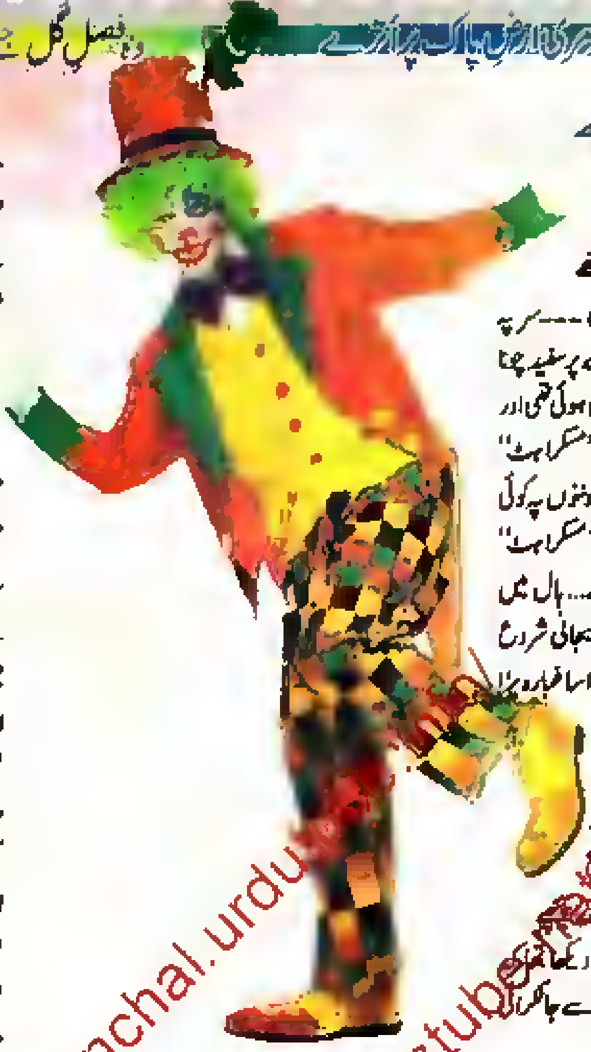
پیارے دوستو
نفے نارو!
آپ کے لیے میری دعائیں، نیک تمنائیں
کم
خدا کبھی نہ کرے
غم سے ہمکنار تجھے



محمد حاطب صدیقی
کالم نگار
مزاح نگار
اسلام آباد

پڑھنے ہی سے عزت ہے
یہ بیٹا یاد رہے
جاہل لوگ زمانے میں
خوار ہوئے، برباد رہے
سیکھیں اور سکھائیں، جو
بن کر وہ استاد رہے

۲ مئی ۲۰۱۵ء



مسخرہ

محمد طاہر عمیر

جمناسٹک والوں کے جاتے ہی "مسخرہ" پنڈال میں داخل ہوا... اس نے سرخ رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے جس پہ تیز رنگوں کی بلیاں سی لگی ہوئی تھیں ــــ سر پہ پھندنے والی پیلے رنگ کی ٹوپی تھی اور چہرے پر سفید چونا ملا ہوا تھا... سرخ رنگ کی گول گیند ناک پہ جمی ہوئی تھی اور سرخ رنگ سے ہی ہونٹوں پہ ایک بڑی سی "مسکراہٹ" بنائی ہوئی تھی.. باوجود اس کے کہ اس کے ہونٹوں پہ کوئی مسکراہٹ نہ تھی لیکن سب کو اس بڑی سی "مسکراہٹ" سے یہی لگ رہا تھا کہ وہ ہر دم مسکرا رہا ہے... ہال میں بیٹھے بھی لوگوں نے اسے دیکھتے ہی سیٹیاں بجانی شروع کر دیں... پنڈال کے عین وسط میں ایک بڑا سا غبارہ پڑا تھا... مسخرہ سیدھا اس پہ جا بیٹھا اور سر پہ یوں انگلی رکھ لی جیسے کچھ سوچ بچار کر رہا ہو۔ اچانک اس کے وزن سے غبارہ پھٹ گیا اور وہ زمین پہ جا پڑا... سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ پنڈال کے عقب میں لگے پردوں سے میں نے وہ دیکھا جو کسی اور نے نہیں دیکھا تھا، زمین پر گرتے وقت مسخرے کی کہنی زمین سے جا ٹکرائی تھی اور کہنی پر سے ہلکا سا خون بھی بہہ نکلا تھا... میں وہاں سے ہٹ گیا اور پچھلی سمت جہاں سرکس کے جانور رکھے گئے تھے وہاں اپنے دوست ہاتھی کے پاس آ بیٹھا... جس کا نام راجہ تھا... راجہ نے مجھے دیکھتے ہی اپنے کان ہلانے شروع کر دیے لیکن میں نے اس کی سونڈ پر ہاتھ نہیں پھیرا... کچھ دیر بعد وہی مسخرہ سرکس کے خیمے سے باہر نکلا اور سیدھا میری طرف آ گیا۔

"تم نے دیکھا... تم نے دیکھا" اس نے اشتیاق سے دو بار جملہ کہا۔

"ہاں میں نے دیکھا" میں نے ان کی کہنی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ... یہ تو معمولی سی خراش ہے... تم..." وہ جھکے اور پاس بیٹھ گئے۔ "کیوں تم ہر بار خوبصورتی کو نہیں دیکھتے، کیوں تمہاری نظر بدصورتی پر جا کے ٹھہرتی ہے" ان کے لہجے میں اداسی تھی۔

"آپ گرتے ہیں اور دنیا اس بات پر ہنستی ہے... مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی" میں نے کہا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے سرکس کے خیمے کی طرف لے گئے... شو ختم ہو چکا تھا اور لوگ واپس جا رہے تھے...

"دنیا ہم پہ نہیں ہنستی... ہمارے کام پہ ہنستی ہے... ضروری نہیں جو ہنس رہا ہو وہ خوش بھی ہو... ذرا دیکھو ابھی جو شو کے دوران سب ہنس رہے تھے اب واپس جاتے ہوئے سب کتنے سنجیدہ ہیں... کسی کو یاد نہیں کہ وہ ایک جوکر پہ ہنسے تھے... دنیا کی پروا کرنا چھوڑ دو... یہ تمہاری پروا نہیں کرتی یہ صرف ہنستی ہی تو ہے اور اس ہنسی کی عمر بھی کتنی مختصر ہے۔ یہ ساری دنیا سنجیدہ اور غمزدہ لوگوں سے بھری پڑی ہے... ہم انہیں ایک ہنسی کا تحفہ دیتے ہیں تو اس میں کیا برائی ہے؟"۔

"مجھے اسکول جانا ہے" میں نے کہا تو وہ چند لمحے میری طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔

"تم علم حاصل کرنا نہیں چاہتے تم بس مجھ سے دور جانا چاہتے ہو کیونکہ تمہیں ڈر ہے کہ کل کو تم پہ دنیا ہنسے گی... اگر تم ایسا ہی سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو مگر ایک بات یاد رکھنا جب تک تم دنیا کی پروا کرتے رہو گے تم جہاں بھی ہو گے جیسے بھی ہو گے یہ دنیا تم پہ ہنستی رہے گی" انہوں نے کہا تو میں چونک گیا۔

"مطلب میں اسکول جا سکتا ہوں؟"۔

"تمہیں بورڈنگ میں رہنا ہوگا... کیونکہ میں سرکس کے ساتھ ساتھ شہر شہر اور بستی بستی جاؤں گا۔ کیا تم رہ لو گے؟"۔

میں نے خوشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اور یوں میں بورڈنگ میں آ گیا۔

"میرا نام احمد ہے..." چمکتی آنکھوں والا وہ لڑکا میرا روم میٹ تھا... "میں نے سرکس میں دیکھا ہے تمہارے ابا کو... انہوں نے ہمیں خوب ہنسایا" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا

"تمہارے ابا کیا کام کرتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ موچی ہیں"... اس نے فخریہ لہجے میں کہا... میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور سوچا کہ اس میں فخر کی کیا بات ہے۔

"مجھے میرا کمرہ بدلنا ہے؟" میں نے اگلے دن وارڈن سے کہا کیونکہ مجھے کسی موچی کے بیٹے کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔

"فی الحال اور کوئی کمرہ نہیں ہے۔ تمہیں اسی میں رہنا ہوگا" وارڈن نے سخت لہجے میں کہا تھا۔

اور پھر وہ میرا کلاس میں پہلا دن تھا۔

"کلاس... آج یہ ایک نئے طالب علم نے داخلہ لیا ہے... میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ سے اپنا تعارف کروائے" ٹیچر کے کہنے پر میں ہاتھ اٹھا۔

"میرا نام فیصل ہے اور میں نے ساتویں جماعت دو سال پہلے پاس کی تھی" میں نے صرف اتنا ہی کہا لیکن ساری کلاس اور ٹیچر میری طرف سوالیہ انداز سے دیکھتے رہے۔

"فیصل کلاس کو بتاؤ کہ تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟"۔

"وہ... سرکس میں کام کرتے ہیں... وہ کلاؤن ہیں" میں نے جھجک کر کہا۔

"ارے واہ... بہت خوب... چلو ہمیں بھی کوئی اچھا سا لطیفہ

سناؤ" ایک لڑکے نے کہا۔

"میرے ابا جوکر ہیں... میں نہیں" میں نے مضبوط لہجے میں کہا تو ساری کلاس میں سناٹا سا طاری ہو گیا۔

"خیر... تو کوئی بات نہیں... ایسا بھی ہوتا ہے... آپ بیٹھ جاؤ فیصل، امید ہے ہمارا وقت اچھا گزرے گا" ٹیچر نے کہا تو میں بیٹھ گیا۔

میں کمرے کی دیوار پر بڑا سا پوسٹر لگا رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" احمد نے پوچھا۔

"یہ میرا آئیڈیل ہے... مجھے اس جیسا بننا ہے"۔

"میرے ابا کہتے ہیں کہ ایک بیٹے ہونے کی حیثیت سے ہمارا آئیڈیل ہمارا باپ ہونا چاہئے اور ایک انسان ہونے کی حیثیت سے آئیڈیل صرف ایک ہی ذات ہے... حضرت محمد ﷺ"۔

"ہاں مگر کچھ لوگ خاص بھی ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر ان جیسا بننے کی خواہش ہوتی ہے" میں نے کہا۔

"خاص ہونا اگر اہم بات ہے تو ہر انسان اپنی جگہ پر خاص ہی تو ہے... بلکہ کسی مفکر نے کہا ہے کہ "عام آدمی... اپنی جگہ پر بہت خاص ہوتے ہیں" احمد نے کہا اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا کسی نے دروازے پر دستک دی اور بتایا کہ میرے ابا مجھ سے ملنے آئے ہیں۔

جس وقت میں ملاقات والے کمرے میں داخل ہوا تو میرا استقبال قہقہوں کی تیز آوازوں نے کیا۔ میں نے دیکھا کہ ہاسٹل کا سارا اسٹاف کمرے میں موجود ہے اور ابا ایک جانب کھڑے ہیں۔۔۔۔ شاید انہوں نے کوئی لطیفہ سنایا تھا جس پر سبھی زور زور سے ہنس رہے تھے... مجھے دیکھتے ہی ابا میری طرف چلے آئے... اسٹاف کے لوگ ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے... وارڈن نے جاتے ہوئے میرے سر کے بال بکھیرتے ہوئے کہا "تمہارے ابا بہت دلچسپ آدمی ہیں"۔

"آپ یہاں کیوں آئے؟" سب کے جاتے ہی میں نے ابا سے پوچھا۔ میرے سوال نے ان کی مسکراہٹ چھین لی۔

"میں تم سے ملنے آیا ہوں بیٹے... کیا مجھے نہیں آنا چاہئے تھا؟"۔

"نہیں آپ کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا... میں نے کہا تو تھا کہ چھٹی والے دن میں خود آؤں گا پھر کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی..."۔

"اوہ... لیکن میں تو..." انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"آپ کو نہیں پتہ اب آپ کے جانے کے بعد لوگ میرا مذاق اڑائیں گے... اور جنوں کو نہیں پتہ تھا اب ان کو بھی اور سب کو پتہ چل جائے گا کہ آپ "جوکر" ہیں... اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر بھی یوں ہنسیں گے جیسے میں بھی کوئی کلاؤن... ہوں"۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ کلاؤن ہونا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا میرے بیٹے کو بھی مل سکتی ہے.... مجھے معاف کر دینا میں آئندہ نہیں آؤں گا یہاں" وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر چلے گئے... شاید ناراض ہو گئے تھے لیکن کوئی بات نہیں میں منا لوں گا انہیں... مگر فی الحال تو مجھے اس بات پر غصہ تھا کہ وہ یہاں آئے ہی کیوں۔

مگر میری اس نادان حرکت کو ابا نے شاید دل پر لے لیا کیونکہ اسی شام انہیں دل کا دورہ پڑ گیا... مجھے احسان چاچا نے فون کر کے بتایا جو کہ ابا کے دوست تھے... میں ہاسپٹل کے لئے نکلا تو رات کے اس پہر باہر کا ماحول اچھا نہیں تھا... دوپہر کے وقت ہی شہر کے مین بازار میں دہشت گردوں نے بم دھماکے کئے تھے جس کی وجہ سے پورے شہر میں خوف اور آنسوؤں کی فضا پھیلی ہوئی تھی... جگہ جگہ پولیس تعینات ہوئے تھے۔ وہ شہر جو دن کے وقت کسی محفل کی طرح بارونق رہا کرتا تھا اس وقت کسی صحرا کی طرح خاموش اور ویران تھا جیسے یہاں دور دور تک کوئی انسان نہ ہو... میں کافی بعد ہاسپٹل پہنچا تو احسان چاچا وہیں پر تھے۔

"ڈاکٹر کہہ رہے ہیں صبح تک آپریشن کرنا ہوگا... لیکن آپریشن کے لئے پیسے مانگ رہے ہیں اتنے ہیں نہیں میرے پاس... میرے خیال میں ہمیں بنا کوئی دیر کئے سیٹھ صاحب (سرکس کے مالک) سے بات کرنی ہوگی..." احسان چاچا نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

"اس وقت وہ کہاں ملیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"تم جانتے تو ہو کہ آجکل سرکس اسی شہر میں ہے... اور رات کا آخری شو بھی شروع ہونے والا ہے... وہ ہمیں اپنے سرکس والے دفتر میں ہی ملیں گے چلو ابھی چلتے ہیں" میں ان کے ساتھ چل پڑا... ہاسپٹل کا منظر بھی کچھ اچھا نہیں تھا... ہر طرف روتی غم کھائی پریشان صورتیں... پتہ نہیں کیوں میں نے زندگی میں اتنے پریشان حال لوگوں کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا... میرا بچپن سرکس میں گزرا تھا... میں نے وہاں جسے بھی آتے جاتے دیکھا اسے خوش و خرم ہی دیکھا... میں شہروں کے اندر بہت کم رہا تھا... میں نہیں جانتا تھا کہ شہروں میں ہجوم کا ہجوم بھی غمزدہ نظر آ سکتا ہے... ابا کی بات یاد آ گئی "یہ دنیا سنجیدہ اور غمزدہ لوگوں سے بھری پڑی ہے... ہم انہیں ایک ہنسی کا تحفہ دیتے ہیں تو اس میں کیا برائی ہے؟"۔

"ایک تو مجھے یہ پریشانی ہے کہ آج شہر کے بڑے صنعتکاروں نے ہمارا شو دیکھنے آنا ہے اور میرا جوکر ہاسپٹل میں پڑا ہے اور سے تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ادھار پیسے دوں... ہرگز نہیں یہ نہیں ہو سکتا" سیٹھ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"سیٹھ صاحب... جس شخص نے اپنی ساری زندگی آپ کی سرکس میں کام کرتے گزاری کیا آپ اس کا اتنا خیال بھی نہیں کریں گے؟" احسان چاچا نے کہا۔

"کس نے کیسی زندگی گزاری ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں... اس نے کام کیا ہے تو میں نے اسے پیسے دیئے ہیں مفت میں کوئی احسان نہیں کیا مجھ پر... اور احسان تو میں نے اس پر کیا تھا... کئی سال پہلے جب وہ اپنے اس لڑکے کو گود میں اٹھائے ہوئے میرے پاس آیا تھا تو یہ بچہ تین دن سے بھوکا تھا... ایک نوالہ اسے نہیں کھلا سکتا تھا... جب میں نے اسے نوکری دی"۔

سیٹھ صاحب کی بات نے مجھے چونکا دیا... ابا نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ میرے دادا کا تعلق ایک امیر فیملی سے تھا لیکن وقت کی گردش نے ان سے سب کچھ چھین لیا... ابا نے اپنی شروع کی زندگی بہت ناز و نعم میں گزاری تھی... لیکن اس کے بعد انہوں نے زندگی میں بڑی محنت اور سخت کام کئے تھے۔ اور آج مجھے پتہ چلا کہ ابا کے جس پیشے سے مجھے نفرت تھی وہ انہوں نے... میری بھوک مٹانے کے لئے اپنایا تھا... اور میں نے بدلے میں اپنے ابا کو کیا دیا تھا؟... میں نے انہیں دل کا دورہ دیا..." ایک بیٹے کے لئے اس کا پہلا آئیڈیل اس کا باپ ہونا چاہئے" احمد کی بات یاد آ گئی۔

"سیٹھ صاحب... میں آج کے شو میں جوکر کا سین کر سکتا ہوں... بدلے میں آپ مجھے ابا کے آپریشن کے لئے پیسے دے دیں... اور جب تک یہ پیسے پورے نہیں ہو جاتے... تب تک میں آپ کی سرکس میں "جوکر" کی نوکری کرتا رہوں گا" میں نے کہا تو سیٹھ صاحب اور احسان چاچا چونک گئے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹا... ایسا مت کرو..." احسان چاچا نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہوں تو تم ابھی چھوٹے بچے... لیکن کر سکتے ہو... مگر یہ بتاؤ کہ کیا پہلے کبھی ایسا کیا ہے کیونکہ یہ نہ ہو تم پنڈال میں جاتے ہی گر جاؤ" سیٹھ صاحب نے کہا۔



پھول قطعہ نگاریاں

آج	کے	روز	ہے	امروز	ہے	اپنا روشن
آج	کے	روز	کی ہے	شان	الگ	آن الگ
آج	کا	روز	ہے	تاریخ میں	اک	روز جدا
آج	کے	روز	ملی	قوم	کو	پہچان الگ

ظفر علی راجا

"پھول" نے بچوں کے لیے ... معروف شاعر ... قطعہ نگاریاں کرتے ہیں۔ (مدیر)

"میں نے پہلے کبھی یہ نہیں کیا... لیکن کر سکتا ہوں کیونکہ کئی سالوں سے آپ کی سرکس میں "جوکر" کا کوئی شو ایسا نہیں تھا جو میں نے دیکھا نہ ہو"۔

"کیا کر رہے ہو... میں بات کر رہا ہوں نا... رکیں سیٹھ صاحب میری بات سنیں یہ نادان ہے" احسان چاچا نے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم تیار ہو تو میں پیسے دینے کے لئے تیار ہوں... شو شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ رہتا ہے... جا کر تیاری کرو... پیسے تمہیں اکاؤنٹنٹ سے مل جائیں گے" سیٹھ صاحب کی بات سن کر میں ان کے دفتر سے باہر نکل آیا۔ احسان چاچا بھی میرے ساتھ تھے۔

"کیوں کر رہے ہو ایسا... تم نہیں جانتے تم اپنے باپ کو اس تکلیف سے بھی بڑی تکلیف دو گے جو انہیں اس وقت محسوس ہو رہی ہو گی" احسان چاچا نے کہا۔

"انہوں نے یہ کام تمہارے لئے کیا اور یقین کرو وہ تمہیں پڑھانا چاہتے تھے... تمہیں بڑا آدمی بنانا چاہتے تھے... اگر تم ان سے اتنی ضد نہ بھی کرتے تب بھی کچھ دنوں تک انہوں نے تمہیں اسکول بھیجنا تھا"۔

"میں جانتا ہوں... اب میں سب جان گیا ہوں... اور یقین کریں چاچا کہ ابا کو میرے اس کام سے تکلیف نہیں بلکہ فخر محسوس ہو گا... کیونکہ... کیونکہ یہ کام میں اب صرف ابا کے لئے یا اپنی کسی مجبوری کے لئے نہیں کر رہا... میں نے آج شہر میں سینکڑوں لوگوں کو روتے ہوئے دیکھا ہے... ان میں سے کچھ لوگ تھوڑی دیر کے لئے مسکرانے کی خاطر یہاں آئیں گے... ان کو خوشی دینے کے لئے آج ابا کی جگہ میں یہ کام کروں گا... مجھے یقین ہے کہ ابا کو مجھ پہ فخر ہو گا... میں یہ کام ضرور کروں گا... دنیا میں بڑے غم ہیں بڑی سنجیدگی ہے۔ اگر کوئی مسکراہٹ کا تحفہ دے تو اس سے بڑی نیکی شاید کوئی اور نہ ہو... میں پڑھوں گا بھی اور جب تک ضرورت ہے یہ کام بھی کروں گا... آگے اللہ مالک ہے... آپ پیسے لے کر جائیں اور آپریشن کروائیں... ان شاء اللہ میں صبح تک پہنچ جاؤں گا... سب ٹھیک ہو جائے گا" میں نے مضبوط لہجے میں کہا تو احسان چاچا مزید کچھ نہ کہہ سکے۔

میں نے رنگ برنگا کلاؤن والا لباس پہنا... سر پہ پھندنے والی ٹوپی جمائی... اپنی آنکھوں کے آنسو اچھی طرح صاف کرنے کے بعد چہرے پہ سفید چونا ملا اور پھر سرخ رنگ کی بڑی سی "مسکان" ہونٹوں پہ سجا کر پنڈال میں داخل ہوا تو پنڈال میں موجود... شہر بھر کے غمزدہ لوگ... زور سے ہنس پڑے۔



اے وطن پیارے وطن



اے مری سرزمیں!

کس قدر پرکشش، کس قدر دلنشیں
یہ بہاریں تری، یہ نظارے ترے
تو ہے کتنی حسیں، اے مری سرزمیں
کوہ و صحرا تلک کتنے پیارے ترے
تو ہے ماں کی طرح مونس و مہرباں
تجھ سے آباد و شاداں ہمارا جہاں
تو نسیم سحر از کراں تا کراں
تجھ میں اُڑتے پھیریں ہم غبارے ترے
تجھ سے جب بھی کبھی دور جانا پڑا
دل جدائی میں تیری تڑپتا رہا
ہم سراپا وفاء بندگانِ صفا
تو ہے دریا تو ہم ہیں کنارے ترے
تجھ کو میلی نظر سے جو دیکھے کوئی
تجھ سے دست و گریباں جو ہو مدعی
اُس سے ہو جائے اپنی لڑائی کھلی
ہم ہیں شمشیر کے تیز دھارے ترے
تیری بنیاد دین مبیں پہ پڑی
تو عطائے خدا، تو دعائے نبی ﷺ
فکر اقبالؒ و قائدؒ کے صدقے ملی
تیرا اصغر تُو پے جائے وارے ترے

زوجہ محمد اصغر ۔۔ راولپنڈی

پاکستان ہمارا ہے

ہم سب پاکستانی ہیں ۔ پاکستان ہمارا ہے
اپنے دیس کا ذرہ ذرہ ۔ ہم کو جان سے پیارا ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
پاکستان ہمارا ہے
مسلم ہندو عیسائی ۔ پاک دیس کے سب شیدائی
دہشت گردی مردہ باد ۔ اپنا ایک ہی نعرہ ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
پاکستان ہمارا ہے
سبز ہلالی اپنا پرچم ۔ ہے عالی اپنا پرچم
چاند ستارے والا پرچم ۔ اپنی آنکھ کا تارا ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
پاکستان ہمارا ہے
ہماری دھرتی پیاری دھرتی ۔ یہ دھرتی ہے پیاری دھرتی
یہ ہے جان دلاری دھرتی ۔ اس کا روپ نیارا ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
پاکستان ہمارا ہے
اس کے دم سے آن ہماری ۔ اس کے دم سے شان ہماری
اس پر قربان جان ہماری ۔ اس کا ہمیں سہارا ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
پاکستان ہمارا ہے
آزادی اک نعمت ہے ۔ قائد کی یہ محنت ہے
اپنی دھرتی جنت ہے ۔ دلکش خوب نظارا ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
پاکستان ہمارا ہے

سید فراز احمد بخاری ۔ لاہور

آزادی نعمت ہے

آزادی کا سورج چمکا سدا چمکتا جائے
خون شہیدوں کا پھر بھڑکا سدا بھڑکتا جائے
چاند ستارے دینے سلامی آج ہیں اسکو آئے
آزادی کی سمت بچہ بچہ بڑھتا جائے
پھولوں کا رس شہد بنا ہے آج چمن میں ہر سو
آزادی کی دیکھ کے دلہن دل ہمکتا جائے
جنگل جنگل صحرا صحرا پھر گونجی تکبیر
اللہ اکبر کا نعرہ ہر سو بکھرتا جائے
اس کی مٹی اس کا پانی پھر ہے آج پکارا
پاک وطن کا جہاں ہے دشمن وہیں وہ دھنستا جائے
یہ روز تجدید عہد کا، آؤ عہد دہرائیں
ہر کوئی اپنے سر کو جھکا کر کلمہ پڑھتا جائے
وقت پڑا تو دل والے پھر اس کا قرض چکائیں گے
کوثر سرفروش ہر اپنا آج یہ کہتا جائے

کوثر خالد ۔ جڑانوالہ

جھنڈا چاند ستارے والا

جھنڈا چاند ستارے والا
دل کا سکون، آنکھوں کا اجالا
سر جا اس کا بول ہے بالا
شوکت اور عظمت کا ہالا
جھنڈا چاند ستارے والا
پاک وطن کی شان اسی سے
شان اسی سے آن اسی سے
قوم کی ہے پہچان اسی سے
سب سے اعلیٰ سب سے نرالا
جھنڈا چاند ستارے والا

انتخاب: آسیہ ناصر ۔ مردکہ

آزادی کا جشن

ہم ہیں اچھے پیارے بچے
سب کے راج دلارے بچے
آج کیا ہے نیک ارادہ
خود سے کیا ہے ایک وعدہ
جھنڈیاں گھر کی سجائیں گے
آزادی کا جشن منائیں گے
ترقی وطن کی بنائیں گے
یہ وعدہ ہے، نبھائیں گے
حاضر ہے یہ دل، یہ جان
تیرے لیے ہی پیارے پاکستان
تو ہے ہماری آن بھی
شان بھی اور جان بھی
بہرام وطن کو سب پہ مان
اللہ ہے اس کا نگہبان

شاہ بہرام انصاری ۔ ملتان

مدیحہ ادریس

عمر اور عاصم کی دوستی کو کون نہیں جانتا تھا۔ وہ دونوں چھوٹے چھوٹے تھے جب اکٹھے کھیلتے کودتے سکول جاتے تھے۔ سکول کے بعد کالج بھی ایک ہی تھا اور اب عملی زندگی میں بھی وہ ساتھ ساتھ تھے۔

سب دوست احباب جانتے تھے کہ عاصم، عمر سے کس قدر مختلف ہے۔ عاصم چھا جانے والوں میں سے تھا۔ سکول و

وہ اس کا دوست تھا اور اب اس کی قدر اس کے دل میں بڑھ گئی تھی



یہ وطن ہمارا ہے......

کالج میں ہونے والے ہر نصابی اور غیر نصابی مقابلے میں حصہ لیتا تھا اور سب طالبعلم جانتے تھے کہ عاصم جس مقابلے میں حصہ لے اس میں کوئی دوسرا پہلی پوزیشن نہیں لے سکتا۔ اس کی الماری بے شمار ٹرافیوں اور میڈلز سے بھری ہوئی تھی جبکہ اس کے برعکس عمر ایک خاموش طبع اور قدرے الگ تھلگ رہنے والا لڑکا تھا۔ دونوں میں ایک چیز مشترک تھی۔ بعض اوقات چیزیں بہت مختلف ہوتی ہیں لیکن ان کی کوئی مشترک قدر انہیں آپس میں جوڑے رکھتی ہے۔ عاصم اور عمر کی مشترک قدر ''وطن سے محبت'' تھی۔ وطن سے محبت نے ہی اُن کو بچپن سے جوڑے رکھا تھا اور اب انہوں نے پولیس کے شعبے کو منتخب کیا تھا تاکہ وطن دشمنوں کا خاتمہ کر سکیں۔ اور اب جبکہ وہ عملی زندگی میں فوج میں آ چکے تھے تو وہ وطن عزیز کے لیے بہت کچھ کر سکتے تھے اور کر رہے تھے۔

☆☆☆☆

ضربِ عضب سے متاثرہ افراد کے لیے ایک پروجیکٹ تھا۔ اس پروجیکٹ کی تکمیل کے لیے عمر اور عاصم کو بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑا تھا لہٰذا اس کی تکمیل پر وہ بہت خوش تھے۔ چند متاثرہ خاندان مظفر آباد میں آن بسے تھے۔ عمر اور عاصم نے اُن کی رہائش کے لیے ایک عمارت کرائے پر لے لی تھی اور ان کے لیے ملازمتیں بھی ڈھونڈلی تھیں اور آج وہ اُن کے پاس جا پہنچے تھے۔

لیکن یہ کیا.....؟ آج کوئی بھی اُن کے پاس نہیں آیا تھا بلکہ انہیں دیکھتے ہی سب خاموش ہو گئے تھے اور اُن کے چہروں پر نفرت کا تاثر بخوبی پڑھا جا سکتا تھا۔ عاصم کے پوچھنے پر بھی انہوں نے کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ دونوں پریشان سے کچھ سوچتے ہوئے پلٹ گئے۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ایک بچے کی آواز سن کر رک گئے۔ وہ دس بارہ سالہ لڑکا تھا جو متاثرہ خاندان کا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ سب سے چھپ کر آیا ہے۔

وہ ہانپتے ہوئے جلدی جلدی بتانے لگا کہ کل ایک آدمی آیا تھا۔ اس نے ابو کو بہت سارے پیسے اور کھانے پینے کی چیزیں دیں اور دادا ابو کو کہا تھا وہ تھوڑے دنوں تک رہائش کا انتظام کر دیں پھر آئے گا لیکن وہ پاکستان کے متعلق بہت غلط بول رہا تھا اور اس بات پر دادا ابو اور وہ دونوں الجھ گئے۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ پاکستان نے آپ کو کیا دیا ہے؟ آپ کے گھر تک چھین لیے گئے۔ آپ اپنے گھروں کی حفاظت تو کر ہی سکتے ہیں۔ آپ نوجوان لڑکوں کو میرے ساتھ بھیج دیں میں اُن کو تربیت دوں گا تاکہ آپ اپنی حفاظت کر سکیں۔'' بچہ اپنے باپ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تیزی سے بھاگ گیا۔ عمر اور عاصم بہت پریشان ہو گئے۔ یہ خبر بہت خطرناک تھی۔ حالات بہت نازک تھے اور وہ نفرت کے جذبات پھیلا رہا تھا۔ عمر اور عاصم کو اسے ڈھونڈنا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں سرگرم ہو گئے۔

بالآخر دو ہفتوں کی انتھک محنت کے بعد انہوں نے اس شخص کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ وہ ایک امیر شخص تھا لیکن مزید پیسے کی ہوس نے اسے یہ گھناؤنا کام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پیسے کی خاطر وہ اپنے ہی وطن کی جڑیں کاٹ رہا تھا۔

کیا انسان اتنا مادہ پرست ہو چکا ہے کہ کاغذ کے نوٹوں کے آگے جھک جائے؟ کیا پیسے میں اتنی کشش ہوتی ہے کہ انسان اپنے ہی وطن کے خلاف ہو جائے؟ لیکن مراد خان پیسے کے آگے جھک بھی گیا تھا اور پیسے کیلئے اپنے ہی وطن کو نقصان پہنچا رہا تھا۔

عمر اور عاصم مراد خان کو اس کے گروہ سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے اور مناسب موقع کے انتظار میں تھے۔ یہ موقع ان کی اہم اور خفیہ میٹنگ نے انہیں مہیا کر دیا تھا، چنانچہ اب وہ خاموشی سے مراد خان کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس کی کار شہر سے باہر ایک عمارت کے سامنے جا رکی۔ وہاں اور بھی بہت سی گاڑیاں آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد جب سب گاڑیاں آ چکیں تو انہوں نے عمارت پر چھاپہ مارا۔ مراد خان اور اس کے ساتھی اس اچانک حملے سے بوکھلا اٹھے لیکن انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے مقابلہ شروع کر دیا۔ دو گھنٹے کی سخت لڑائی کے بعد مجرموں پر قابو پا لیا گیا۔ فتح یوں ہی تو حاصل نہیں ہو جاتی اس کے لئے جان لٹانا پڑتی ہے اور اس معرکے میں عمر نے اپنی جان اپنے پیارے وطن کے لئے قربان کر دی تھی۔

اگلے دن اخبارات میں عمر کی شہادت کے ساتھ ساتھ ملک دشمنوں کے ایک بڑے گروہ کے پکڑے جانے کی خبر بھی تھی۔ عاصم خوش ہونے کے ساتھ ساتھ غمگین بھی تھا کہ اس کا بہت پیارا دوست اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا تھا لیکن جاتے جاتے اس کے دل میں وطن کی محبت اور راسخ کر گیا تھا۔ عاصم اکثر یہ گنگناتا تھا۔

یہ وطن ہمارا ہے
ہم ہیں پاسباں اس کے

اگست کے اہم واقعات



چوہدری اسد اللہ خان

o یکم اگست 1948ء: لاہور (پاکستان) کے برطانوی نام کے "منٹو پارک" کا نام مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ کے نام پر "اقبال پارک" رکھا گیا۔
o 2 اگست 1934ء: میں ہٹلر جرمنی کا پریذیڈنٹ چانسلر بنا۔
o 3 اگست 2013ء: سابق اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کا یوم وفات۔
o 4 اگست 1941ء: نازی فروس اور روس کی جنگی پیش قدمی نے لاکھوں افراد کو موت کی نیند سلا دیا۔
o 5 اگست 2013ء: چوہدری محمد سرور نے صوبہ پنجاب (پاکستان) کے گورنر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔
o 6 اگست 2013ء: دو خواتین سمیت کویت کی 8 رکنی کابینہ نے حلف اٹھایا۔
o 7 اگست 1990ء: درویش صفت دیانتدار غلام حیدر وائیں صوبہ پنجاب پاکستان کے وزیر اعلیٰ بنے۔
o 8 اگست 1953ء: بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے جموں کشمیر کے وزیر اعظم شیخ عبداللہ کو بھارت کے خلاف سازش کے الزام میں گرفتار کروا کے برطرف کر دیا۔
o 9 اگست 1965ء: سنگاپور کو آزادی نصیب ہوئی۔
o 10 اگست 1954ء: شاہ فیصل بن عبدالعزیز سعودی عرب کے وزیر اعظم بنے۔
o 11 اگست: اقلیتوں کا عالمی دن۔ (اقلیتوں کے مزید تحفظ کیلئے منصوبہ بندی کی جاتی ہے)۔
o 12 اگست: نوجوانوں کا عالمی دن۔ (ان کی بہتر تعلیم و تربیت اور روزگار کی پالیسی بنائی جاتی ہے)۔
o 13 اگست 1948ء: اقوام متحدہ نے کشمیریوں کو "حق خود ارادیت" کا اختیار دیا۔
o 14 اگست 1947ء: قائد اعظمؒ کی قیادت میں "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کی آزاد ریاست معرضِ وجود میں آئی یہ فکر اقبالؒ قائدؒ کی دلیری اور لاکھوں قربانیوں کا نتیجہ تھا۔

14 اگست 2000ء: صوبہ سندھ کے سابق گورنر حکیم سعید شہید کو (بعد از شہادت) پاکستان کا اعلیٰ ترین سول اعزاز "نشان امتیاز" دیا گیا۔ ایسے لوگوں کی وفات سے پاکستان کی بچا ہے۔
o 15 اگست 1947ء: سر رابرٹ فرانسس موڈی (انگریز) صوبہ پنجاب (پاکستان) کے پہلے گورنر بنے۔
o 16 اگست 1948ء: قائد اعظمؒ نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو "یوم راست اقدام" منانے کا حکم دیا۔
o 17 اگست 1960ء: گبون (Gabon) کو آزادی مل گئی۔
o 18 اگست 2012ء: کی "یوسٹرزیا" نے مس ورلڈ کا ٹائٹل جیت لیا۔
o 19 اگست 2014ء: بین الاقوامی سکواش کے پاکستانی ہیرو ہاشم خان کا امریکہ میں انتقال ہو گیا۔
o 20 اگست 2013ء: تھائی لینڈ کی وزیر اعظم ینگ لک شیناواترا نے پاکستان کا دو روزہ خیر سگالی دورہ کیا۔
o 21 اگست 1998ء: مسلم ملک افغانستان کے خلاف شیطانی اتحاد (امریکہ، بھارت اور اسرائیل) کا قیام عمل میں آیا۔
o 22 اگست 1902ء: امریکی صدر روز ویلٹ کو پبلک میں آٹو موبائل میں سفر کرنے والے پہلے صدر کا اعزاز حاصل ہوا۔
o 23 اگست 1976ء: اسلام آباد یونیورسٹی (پاکستان) کا نام تبدیل کر کے "قائد اعظم یونیورسٹی" رکھا گیا۔
o 24 اگست 1932ء: امریکی خاتون Amelia earhart پہلی بین البراعظمی ہواباز جس نے 9 گھنٹے پرواز کر کے نیو جرسی کے ایئر پورٹ میں لینڈنگ کی۔
o 25 اگست 1625ء: یوروگوئے (Uruguay) کا یوم آزادی۔
o 26 اگست 1991ء: پاکستان کی معروف دینی و سیاسی جماعت "جماعت اسلامی" کی گولڈن جوبلی لاہور میں منائی گئی۔
o 27 اگست 1963ء: شہرہ آفاق ریاضی دان، نامور مقرر بانی خاکسار تنظیم علامہ عنایت اللہ مشرقی انتقال کر گئے اور اچھرہ لاہور (پاکستان) میں دفن ہوئے۔
o 28 اگست 1949ء: روس نے اپنا پہلا ایٹم بم ٹیسٹ کر کے اپنی ایٹمی قوت کا اظہار کیا۔
o 29 اگست: یوم شمالی کوریا (Sour) ڈے۔
o 30 اگست 1957ء: ملائیشیا (Malaysia) آزاد ممالک کی صف میں شامل ہو گیا۔
o 31 اگست 1997ء: برطانوی شہزادی لیڈی ڈیانا حادثاتی موت کا شکار ہو گئیں۔

دلچسپ و عجیب (معلومات)

☆ عراقی سابق صدر صدام حسین نے اپنے 27 لیٹر خون سے قرآن پاک تحریر کروایا تھا۔
☆ تھائی لینڈ کے چڑیا گھر میں ننھا ہاتھی سائیکل چلانا سیکھ چکا ہے اور وہ اپنے کرتب سے سیاحوں کو خوب محظوظ کرتا ہے۔ چڑیا گھر کی آمدن میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔
☆ 27 مئی 2015ء: چین نے بحیرہ جنوبی چین میں اپنی انتھک محنت سے سمندر کو پیچھے ہٹا کر تقریباً 2 ہزار ایکڑ خشک جزیرہ بنا لیا، وہ اس نئی دریافت کو "رن وے" کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔
☆ امریکی ریاست ورجینیا کی میوزیم ریکارڈ بک میں لکھا ہے کہ پہلے امریکی صدر جارج واشنگٹن دانتوں کی ایک خاص بیماری میں مبتلا تھے۔ اس لئے ان کیلئے ماہر دندان سازوں نے ان کیلئے انسانی دانتوں کے علاوہ گائے، گھوڑے اور گدھے کے دانتوں پر مشتمل بتیسی تیار کی تھی، یہ ورلڈ ریکارڈ بھی ہو سکتا ہے۔
☆ 23 مئی 2015ء: امریکی ریاست کیلی فورنیا میں 11 سالہ تانشی ابراہام نے گریجویشن کی ڈگری حاصل کی پچھلے سال اس نے دس سال کی عمر میں ہائی سکول کی تعلیم مکمل کی تھی۔
☆ سابق صدر پاکستان ایوب خان نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا تھا کہ "میرا ضمیر میرے دو گناہوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا نمبر 1۔ مجیب الرحمٰن کی معافی، نمبر 2۔ یحییٰ خان کو اقتدار سونپنا۔ (کیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا)۔
☆ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب عارف علی نکئی ایک ملزم کو چھڑوانے تھانے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے حوالات کا دروازہ کھلوایا اور ملزم کو سرکاری جھنڈے والی گاڑی میں بیٹھا کر لے گئے (ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بھی ہیں حکمران کیسے کیسے)۔
☆ لاہور پولیس یعنی خادم اعلیٰ کی پولیس میں 175 انسپکٹروں کی تعلیم صرف پرائمری، مڈل اور میٹرک ہے (بوائے وقت اپریل 2015ء)۔ شہریوں کی چشم پوشی کا یہ عالم ہے تو افسروں کی بے ادائیوں کا کیا گلہ، خدا حکومت میں بھی کوئی ماحول شریف پیدا کر دے، آمین۔
☆ 30 مئی 2015ء: پاکستان کے سرحدی شہر شکر گڑھ سے ایک کبوتر نے اڑان بھری اور بھارتی فضا میں داخل ہو گیا، جاسوسی کے خوف سے بھارتی سیکیورٹی کی دوڑیں لگ گئیں، آخر کار انہوں نے پاکستانی کبوتر کو گرفتار کر لیا اور اسے جاسوس قرار دے کر تفتیش شروع کر دی، کبوتر کا ایکسرے تک کروا لیا۔ جب کچھ نہ ملا تو کبوتر کو چھوڑ دیا۔ ہزار سالہ مسلمانوں کی غلامی میں رہنے والے ہندوؤں کے خوف کا یہ عالم ہے کہ انہیں پاکستانی کبوتر بھی جنگی طیارہ دکھائی دیتا ہے۔

چوہدری اسد اللہ خان

طنز و مزاح

حافظ مظفر محسن

”مجھے پولیس کے حوالے کردو۔۔۔؟“

”مجھے پولیس کے حوالے کردو۔۔۔“
ایک ڈاکو نے استدعا کی۔۔۔تو سب حیران ہو گئے۔۔۔یہ عجیب مطالبہ ہے۔۔۔
”کیا خواہش ہے بھئی۔۔۔؟“
استاد کرمانی نے ڈاکو کے مطالبے پر پریشانی کا اظہار کیا۔۔۔
”انسان اپنوں ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔۔۔“ ایک پاس کھڑے مولانا نے سنجیدگی سے کہا۔
”ویسے بہتر ہے انھیں پولیس کے ہی حوالے کر دیا جائے۔۔۔“
میرے مطالبے پر ڈاکٹر طلعت چل پڑے۔۔۔”میں یار۔۔۔اب تم جانو تمہارا کام۔۔۔“
میں نے ڈاکٹر صاحب کو پکڑ کر روکا تو ہاتھ چھڑا کر پھر سے اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔
”میں اپنا مطالبہ واپس لیتا ہوں۔۔۔نہ کہ اس ڈاکو کو پولیس کے حوالے۔۔۔اسے پی۔سی کھانا کھلانے لے چلتے ہیں۔۔۔“ میں نے ہوئے کہا۔۔۔تو ڈاکٹر صاحب شدید غصے میں آ گئے۔۔۔
پہلی بار اگر کوئی ڈاکو ہاتھ آ ہی گیا ہے تو آپ اُسے چاہتے ہیں کہ عزت سے بری کروا دیں۔۔۔یہ شخص تھانے گیا تو اگلے ایک گھنٹے میں آزاد ہو کر پھر سے ہمارے ہی محلے میں ڈاکے مارے گا۔۔۔
اقبال ٹاؤن، کریم بلاک بینک ڈکیتی میں ہلاک ہونے والے مینجر کی نماز جنازہ کریم بلاک قبرستان میں ادا کی جا رہی تھی کہ جیب کتروں نے یلغار کر دی۔۔۔لوگ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو پتہ چلا کہ گیارہ لوگوں کی جیبیں کٹ چکی ہیں۔۔۔
تھرتھلی مچ گئی۔۔۔ہر آدمی جنازے اور مرنے والے کا غم بھول گیا۔۔۔اپنی اپنی پڑ گئی سب کو۔۔۔
میں تو دربار جاؤں۔۔۔جمعہ یا عید کی نماز پڑھنے جاؤں جیب میں دو تین سو روپے رکھتا ہوں۔۔۔شناختی کارڈ بھی نہیں رکھتا۔۔۔کیونکہ جیب کتروں کو سہولت دینے سے ہی جرم اور مجرم کو تقویت ملتی ہے۔۔۔وہ اپنے ”ہنر“ کا مظاہرہ کرنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔۔۔
ڈاکٹر صاحب تو مرنے والے ہو گئے۔۔۔ہم نے وجہ پوچھی تو بولے۔۔۔”یار میں نے تو بچوں کو عیدی دینے کے لیے آج ہی سفارش سے پچاس ہزار کے نئے نوٹ منگوائے تھے۔۔۔ظالم جیب کترا وہ بھی لے گیا۔۔۔“
”ہائے میرا ڈیڑھ لاکھ روپے والا موبائل۔۔۔“ ایک صاحب روتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔۔۔ایک جنازہ۔۔۔اور جس میں گیارہ لوگوں کے ساتھ آدھ گھنٹے کے دوران جیب کتروں نے کامیابی سے لوٹ مار کر ڈالی۔۔۔یقیناً یہ کوئی جیب کتروں کا بڑا اور منظم گینگ ہوگا۔۔۔لوگ اپنے اپنے تبصرے کر رہے تھے کہ ایک پولیس ملازم بھی نماز پڑھنے والی ٹوپی پہنے سامنے آ گیا اور حیرت سے بولا۔۔۔
”ظالم میرا موبائل بھی لے گئے۔۔۔تھا تو اٹھارہ سو روپے کا لیکن۔۔۔اُس میں تو سو موبائل نمبر دوستوں اور کانٹیکٹ کے محفوظ تھے۔۔۔
ہم سب کی ہنسی نکل گئی۔۔۔پولیس والا بھی چپکے سے گلی میں نکل گیا۔۔۔
”پکڑو۔۔۔پکڑو“ شور سا مچا اور پتہ چلا کہ موٹر سائیکل والا قادری صاحب سے موبائل چھین کر نکلا ہے۔۔۔لوگ موٹر سائیکلوں پر بھاگے اور پانچ منٹ میں ڈاکو کو قادری صاحب کے چھینے ہوئے موبائل سمیت پکڑ کر لے آئے۔۔۔



اب اُس ”بے چارے“ کی چھترول شروع ہوئی
”مجھے نہ مارو۔۔۔مجھے پولیس کے حوالے کر دو۔۔۔“ ڈاکو چیخ چیخ کر شور مچا رہا تھا۔۔۔سب کو اپنے اپنے غم بھول گئے۔۔۔ہر شخص کی توجہ اس بات پر تھی۔۔۔کہ یہ بار بار کیوں کہہ رہا ہے۔۔۔”مجھے پولیس کے حوالے کردو“۔۔۔
ایک لڑکا ڈاکو کو بہت بُری طرح پیٹ رہا تھا۔۔۔ہم نے اُسے سختی سے منع کیا۔۔۔وہ تو بعد میں پتہ چلا کہ وہ اصل میں ڈاکو کا ہی ساتھی تھا۔۔۔
اس بات کا اور اک ہمارے ایک سابق پولیس والے محلے دار کو ہوا۔۔۔جب اُس کی بھی ”مرمت“ ہوئی تو پتہ چلا کہ یہ بات رنگی گینگ ہے اور سب نے مل کر

گیارہ لوگوں کی نماز جنازہ کے دوران جیبیں کاٹیں اور ایک عدد موبائل بھی چھینا۔۔۔

سب کا فیصلہ تھا کہ ان دونوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔۔۔ مگر جو سابق پولیس ملازم تھا اس نے زور دیا کہ پہلی اپنی چیزیں برآمد کروالی جائیں۔۔۔ بعد میں پولیس کو بلایا جائے۔۔۔

سب لوگ حیرت سے زور رو گئے۔۔۔ جب دس کی دس جیبوں سے نکلے پرس اور موبائل واپس آ گئے۔۔۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب کے پچاس میں سے دس نوٹ کم تھے۔۔۔ جب جیب کترے کی مرمت ہوئی (دوبارہ) تو وہ دس نوٹ بھی ڈاکو کو بہت زیادہ تشدد کا نشانہ بنانے والا موٹر سائیکل پر جا کر کہیں سے لے آیا۔۔۔

اس دوران یہ بات سامنے آئی کہ یہ سات رکنی گینگ پڑھے لکھے، لاہور اور گوجرانوالہ کے رہائشی جیب کتروں پر مشتمل ہے اور مل کر وارداتیں کرتے ہیں۔۔۔ کئی بار پکڑے گئے اور جب پکڑے جاتے ہیں تو ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ "ہمیں پولیس کے حوالے کر دو"۔۔۔ اور پھر سے "مارکیٹ" میں آ جاتے ہیں اور لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔۔۔

لوگ ابھی اس گینگ کے بارے میں مزید جاننا چاہتے تھے، دلچسپی سے ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ان دونوں سے سب کچھ برآمد تو ہو چکا ہے اب ان کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔۔۔

"پکڑو۔۔۔ پکڑو۔۔۔ پکڑو۔۔۔" پھر سے شور مچا۔۔۔

وہ دونوں ڈاکو۔۔۔ ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئے۔۔۔ اور سب حیرت سے اک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔۔۔ ہر شخص منیجر کی موت پر دکھ کا اظہار کر رہا تھا۔۔۔ جیب کتروں سے اپنے اپنے موبائل اور پیسے مل جانے پر خوش تھا، ڈاکوؤں کے پھر سے بھاگ جانے پر "اداس" بھی تھا۔۔۔ مگر یہ گتھی سلجھانے کی فکر میں بھی تھا کہ جب ڈاکو پر لوگ تشدد کر رہے تھے تو وہ روتے ہوئے، مار کھاتے ہوئے یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ مجھے مت مارو۔۔۔ وہ بس یہی کہہ رہا تھا کہ "مجھے پولیس کے حوالے کر دو۔۔؟"

آخر کیوں۔۔۔؟

آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔

☆☆☆



پاکستان میں یہ دن 12 اگست کو منایا جاتا ہے

نوجوانوں کا عالمی دن

عائشہ جمشید

ایک شخص بچپن کے خوابوں سے نکل کر جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو خود کو آزاد فضا میں سانس لیتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس لیے نوجوان نسل آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے اس آزادی کے حصول کے لیے وہ کوئی غلط راہ اختیار نہ کریں اس بات کا خیال رکھنا والدین اور اساتذہ کا فرض ہے جبکہ حکومت پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نوجوانوں کو ترقی کے بہترین مواقع فراہم کرے۔ آج کل نوجوان چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں وہ ان حالات سے واقف ہیں۔ وہ ان حالات میں بہتری چاہتے ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کی نسبت بہترین زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے نوجوان کو شاہین کہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ تلقین کی ہے کہ نوجوان شاہین کے اوصاف اور عادات کو اپنا لیں اس کی خودداری، بلند ہمتی اور دور بینی کو اپنا لیں۔ شاہین اس قدر غیرت مند ہوتا ہے کہ وہ بھوکا مر سکتا ہے لیکن مردار نہیں کھاتا۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مگر آج کا نوجوان ان باتوں سے بہت دور ہے۔ کامیابی حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہے۔ ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اقوام متحدہ نے ایک ایسا دن منانے کے لیے قرارداد منظور کی جس دن نوجوانوں کے بارے میں بات کی جائے اور نوجوانوں کو اپنی رائے دینے کا حق دیا جائے اس قرارداد کی روشنی میں 1999ء میں 12 اگست کا دن نوجوانوں کے عالمی دن کے طور پر مختص کیا گیا۔

اس دن کا مقصد نوجوانوں میں انکے حقوق و فرائض کی آگاہی اور نوجوان نسل کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ اس دن کے حوالے سے ہونے والی تقریبات میں مختلف ممالک کی حکومتیں نوجوانوں کی بھلائی کے لیے خصوصی اقدامات کرتی ہیں۔ جن میں پڑھائی کے لیے قرضہ، مختلف شعبہ جات میں وظائف کا اعلان، تفریحی سرگرمیوں کا انعقاد اور ترقی کے دوسرے مواقع فراہم کرنا شامل ہے۔

بے شمار ممالک یہ دن 12 اگست کو ہی مناتے ہیں۔ لیکن چند ممالک میں یہ دن انکی مذہبی کا سیاسی رسومات کے ساتھ مختلف تاریخوں پر منایا جاتا ہے۔

جیسے کہ

چین:

چین میں یہ دن 4 مئی کو منایا جاتا ہے وہ تمام دوسرے تہواروں کی طرح یہ دن بھی بہت جوش و جذبے سے مناتے

تائیوان:

تائیوان میں یہ دن 29 مارچ کو منایا جاتا ہے۔

بھارت:

بھارت میں نوجوانوں کا عالمی دن سوامی ویویکانند کی پیدائش والے روز 12 جنوری کو منایا جاتا ہے۔ کیونکہ بھارتی حکمرانوں کا ماننا ہے کہ سوامی ویویکانند کی تعلیمات ہندو نوجوان لڑکے لڑکیوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

سنگاپور:

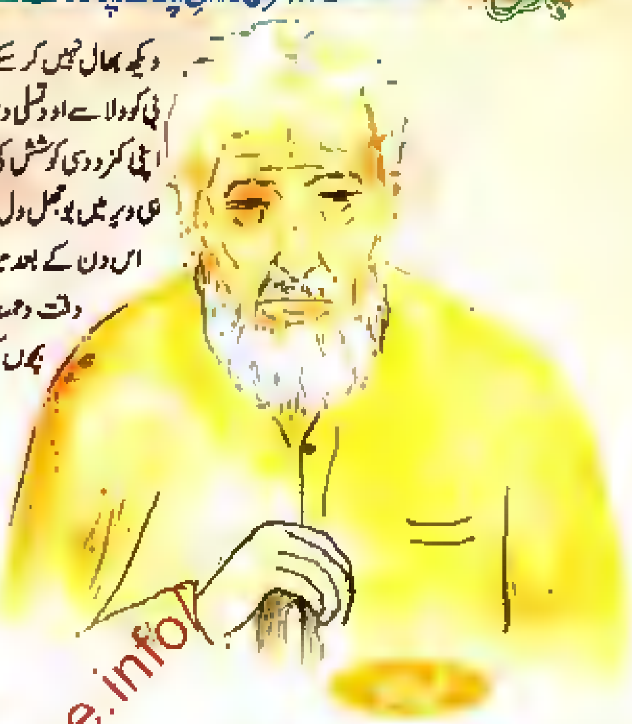
سنگاپور میں جولائی کی پہلی اتوار کو نوجوانوں کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔

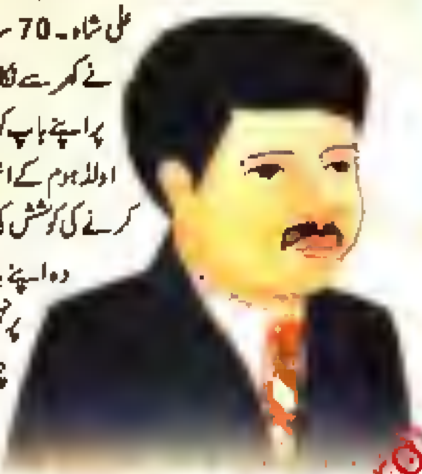
ایران:

ایران میں یہ دن ہجری کیلنڈر کے حساب سے حضرت امام حسین کے بڑے بیٹے حضرت علی اکبر کے یوم پیدائش 11 شعبان المعظم کو منایا جاتا ہے۔

ترکی:

ترکی میں نوجوانوں کا عالمی دن کھیلوں کے عالمی دن کے ساتھ منایا جاتا ہے۔





اس کے بیٹے واپس نہیں آئے تھے لیکن......

واپسی

''میرا بیٹا واپس آئے گا مجھے لینے کے لئے۔'' بوڑھی اماں نے میرا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

''ضرور اماں انشاء اللہ آپ کا بیٹا ضرور آئے گا۔'' میں نے پھر سے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سے سہلاتے ہوئے کہا۔

جواباً اماں نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے منہ دوسری طرف کر کے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ مجھے دکھ اور افسوس نے گھیر لیا، میں سوشل ورک میں ایم اے کر رہی تھی اور اپنے مقالے کے لئے میں نے ''اولڈ ہوم'' کو منتخب کیا تھا۔

آج اولڈ ہوم، میں ایک نیا اضافہ ہوا تھا۔ ''رحمت بی بی'' کا۔ رحمت بی بی چار بیٹوں کی ماں تھی۔ جس نے جوانی میں بیوہ ہونے کے بعد اپنی ساری زندگی اپنے بچوں کیلئے وقف کردی۔ دن رات محنت کر کے اپنے بچوں کو پالا اور انہیں اعلیٰ تعلیم دلا کر اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ لیکن اُس کے بیٹے بلند مقام حاصل کرنے کے بعد اپنی اپنی زندگی میں مصروفیت کے باعث ایک ماں کو سنبھال نہ سکے۔ وہ اسے رحمت کی بجائے بوجھ سمجھتے ہوئے ''اولڈ ہوم'' چھوڑ گئے۔ رحمت بی بی اس حقیقت کو ماننے سے انکاری تھی کہ اُس کا اپنا خون اُس کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے......!!! یہ کیسے ممکن ہے کہ اُس نے اکیلے چار بچوں کی پرورش کی۔ لیکن اُس کے چار بیٹے مل کر ایک اکیلی ماں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے.....؟؟؟ سب لوگ رحمت بی بی کو دلاسے اور تسلی دوحوصلہ دے رہے تھے میں نے بھی اپنی کمزور سی کوشش کی تھی لیکن بے سود۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں بوجھل دل کے ساتھ گھر آ گئی۔

اس دن کے بعد میرا معمول بن گیا کہ میرا زیادہ تر وقت رحمت بی بی کے ساتھ گزرنے لگا۔

بچوں کی بے وفائی نے اُس کے دل اور روح پر گہرے زخم لگائے تھے۔ میری کونسلنگ آہستہ آہستہ رنگ لانے لگی اور رحمت بی بی نے زندگی کی جانب لوٹنا شروع کر دیا۔

اولڈ ہوم میں موجود ہر مکین کی کہانی رحمت بی بی کی کہانی جیسی ہی تھی اور میں سوچتی تھی کہ کیا انسان مادی آسائشوں کی خاطر خون کے رشتوں کو اس حد تک بھلا سکتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ جنہوں نے اسے جنم دیا، مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کر کے پالا اُن کو بھی غیروں کے رحم و کرم پر بے آسرا چھوڑ کر چلا جائے۔ اولڈ ہوم میں مقیم لوگوں کو ہر آسائش مہیا کی جاتی تھی۔ لیکن کمی تھی تو صرف اپنوں کے پیار و محبت اور تحفظ و اعتماد کی۔ رحمت بی بی نے بھی آہستہ آہستہ دوسرے لوگوں کے حالات میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ غم بانٹنے سے کم ہوتے ہیں اور خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں۔ یہی اولڈ ہوم میں بھی ہوا۔ ان کمزور اور بوڑھے وجودوں، اپنوں کے ٹھکرائے لوگوں نے ایک دوسرے کے غم بانٹ لئے۔ ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں شریک ہونے لگے۔ ان لوگوں کی زندگی میں ہلچل اُس دن ہوئی جب ایک نیا وجود اولڈ ہوم کا مکین بننے آیا۔

علی شاہ۔ 70 سالہ اس بوڑھے شخص کو اُس کی بہو نے گھر سے نکال دیا تھا اور بیٹا اپنی بیوی کے کہنے پر اپنے باپ کو اولڈ ہوم لے آیا تھا۔

اولڈ ہوم کے انچارج اور میں نے اس کی کونسلنگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے باپ کی خاطر اپنی خوشگوار زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا۔ اس لیے مجھے اس کا چہرہ انتہائی ظالم، خود غرض اور گھناؤنا لگا۔ اسلام سے دوری اور مغرب کی تقلید نے آج ہمیں اُس پست مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ ہم رحمت کے دروازے اور اپنی جنت، اپنے ماں باپ خود اپنے ہاتھوں سے زندگی کے بے رحمت منجدھار میں چھوڑ رہے تھے۔ ''یا الٰہی رحم'' میں نے بے اختیار تڑپ کر دل میں دعا کی۔ خون کا سفید ہونا کسے کہتے ہیں۔ آج پتہ چلا تھا میں، ابھی سوچوں میں گم تھی کہ ایک گرجدار آواز سن کر چونکی تو رحمت بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُن کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''تم اپنا نام بھی رجسٹر کروا لو'' رحمت بی بی نے علی شاہ کے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ جو رحمت بی بی کا ردعمل دیکھ کر گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''تم اپنا نام بھی رجسٹر کروا لو۔ کل کو تمہیں بھی تو یہی آنا

ہے نا!!!"

رحمت بی بی نے دھیرے دھیرے قدم اس کی جانب بڑھاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی امی ...... امی ...... امی ...... کک ...... کک کیا مطلب۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

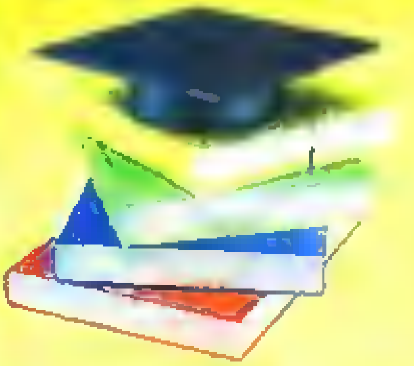
"آج تم اپنی بیوی کے کہنے پر اپنے باپ کو یہاں لائے ہو۔ کل کو تمہارے بیٹے نے بھی تو تمہاری بہو کے کہنے پر تمہیں یہاں لانا ہی ہے۔ تو ابھی سے رجسٹریشن کروا لو کیا پتہ تمہیں یہاں بھی جگہ ملے یا نہ ملے۔" رحمت بی بی نے غصے سے کہا۔

اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے رحمت بی بی کو دیکھا اور جھرجھری لے کر سر کو جھکا لیا۔ پھر اچانک ہی ایک حیران کن بات ہوئی، وہ آگے بڑھا اور باپ کے قدموں میں بیٹھ کر زور زور سے رونے اور معافیاں مانگنے لگا پھر کھڑا ہو گیا اور رحمت بی بی کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور بولا "شکریہ اماں جی آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں بدنصیب اپنے ہاتھوں اپنے گھر کی برکت، دعاؤں اور رحمت کے دروازے بند کر رہا تھا۔ آپ نے مجھے غفلت کی نیند سے جگا دیا۔ اب میرے والد صاحب ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گے۔ اپنی بیوی کو بھی میں سمجھاؤں گا۔ مجھے مادی دولت اور آرام نہیں بلکہ آخرت کی سائش اور والدین کی دعائیں چاہئیں۔" یہ کہہ کر وہ پلٹا اور اپنے باپ کو سہارا دیتے ہوئے ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

رحمت بی بی کی آنکھوں سے دو آنسو ڈھلکے اور اس کی جھریوں میں گم ہو گئے۔

وہ بھی آہستگی سے اندرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی اور یہ سوچنے لگی کہ رحمت بی بی کے بیٹے تو نہیں لوٹے۔ لیکن اس نے ایک اور بوڑھے باپ کو اس کا بیٹا اس کا سہارا لوٹا دیا۔ مجھے مکمل یقین اور بھروسہ ہے کہ ایک دن اس کے بیٹے بھی غفلت سے جاگیں گے۔ وہ بھی اس حقیقت کو سمجھ لیں گے کہ اصل خوشی اور اصل دولت ماں باپ کی خدمت ان کی مسکراہٹ اور ان کی دعا ہے۔ ماں کے پاؤں تلے جنت ہے تو باپ جنت کا دروازہ ہے اور دونوں کی خدمت کے بغیر جنت کا خواب ایک سراب ہے۔

☆☆☆



علم قدر و منزلت

علم قوموں کی زندگی میں نئی روح پھونکتا ہے

اختر رسول جنجوعہ

قوموں کے عروج اور زوال کی داستان تعلیم ہی کی مرہونِ منت ہے جدید دور میں کوئی بھی قوم علم سے دور رہ کر مادی اور روحانی ترقی حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ تعلیم ہی وہ اصل جوہر ہے جو قوموں کی زندگی میں نئی روح پھونکتا ہے۔ حقیقت میں تعلیم کے بغیر نہ تو کوئی قوم اپنی ثقافت آئندہ نسلوں کو منتقل کر سکتی ہے اور نہ ہی اعلیٰ اقدار کو فروغ دے سکتی ہے۔

علامہ ابن خلدون تعلیم کو انسان کی فطری غذا قرار دیتے ہیں جب کہ امام غزالی کے ہاں انسانی نفس کو مہلک عادتوں اور بری خصلتوں سے بچانا اور عمدہ اخلاق سے مزین کر کے سعادت کی راہ پر ڈال دینے کا نام تعلیم ہے۔

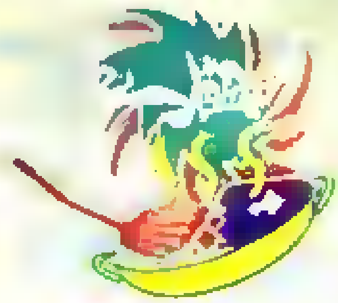
قرآن مجید (کتاب ہدایت) میں اس کی اہمیت کا عالم یہ ہے کہ لفظ علم "مختلف اشتقاقی صورتوں میں 778 بار وارد ہوا ہے جبکہ اللہ کے نبی ﷺ کو خواندگی سے اتنی محبت تھی کہ ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر میں جب ستر کے قریب مکہ والے قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے تو نبی اکرم رحمت اللعالمین ﷺ نے ان لوگوں کی رہائی کے لیے جو مالدار نہ تھے مقرر کر دیا کہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے ہی دیا جبکہ خلفاء راشدین کے دور میں بھی اسلامی تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے بھی صحابہ کرام سلطنت کے دور دراز علاقوں میں پہنچ گئے اور وہاں حلقہ ہائے تدریس قائم کیا۔ بصرہ میں حضرت عمرانؓ بن حصین فلسطین میں حضرت معاذ بن جبلؓ مدائن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حمص میں حضرت عبادہ بن صامتؓ دمشق میں حضرت ابو درداؓ، شام میں حضرت عبدالرحمان بن قاسمؓ مصر میں حضرت حبان بن ابن جبلہ اور مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ نے تعلیم و تبلیغ کے فرائض سر انجام دیے۔

لفظ طالب علم اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ طالب علم کے معنی طلب کرنا، مانگنا اور جستجو کے ہیں دوسرے لفظوں میں علم کے حصول کے لیے ہر وقت اس کی کھوج میں لگے رہنا ہے۔ بچے کی صحیح تعلیم و تربیت والدین، گھر اور مدرسہ کی ذمہ داری ہے اور اس میں ہر شخص کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے یہ بات حقیقت ہے کہ بچے کا دماغ ایک سفید کورے کاغذ کی مانند ہے جس پر جو تحریر لکھی جائے گی وہ پختہ ہو جائے گی۔ ایک فرد کی تعلیم صرف ایک فرد ہی کی تعلیم ہے جبکہ ایک عورت کی تعلیم پورے کنبہ کی تعلیم ہے

ہمارے نبی محترم ﷺ نے بھی مرد و عورت پر تعلیم کو فرض قرار دیا ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن نوجوانوں سے خصوصی سوال کرے گا "بندے کے قدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے کہ جب تک چار سوال نہ ہو جائیں۔ اس کی زندگی کے بارے میں اور یہ کہ اس کو کس کام میں لگایا، اس کی جوانی کے بارے میں اس کو کیسے گزارا، اپنے علم کے بارے میں اس پر کتنا عمل کیا، اور کمائی کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا

علم ایک پائیدار دولت ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے بلکہ دنیا فنا کا گھر ہے ہر کمال کو زوال ہے، ہر بہار کے بعد خزاں ہے، ہر دن کے بعد رات ہے، ہر نور کے بعد تاریکی ہے، دولت مندوں کے ساتھ غربت ہے، تندرستی کے ساتھ بیماری ہے غرضیکہ عالم مشاہدات میں ایسی کوئی بھی چیز ڈھونڈنے سے نہ ملے گی جو گھٹتی بڑھتی نہ ہو لیکن علم ایک ایسی دولت ہے جو ہمیشہ بڑھتی ہے اور یہ دولت ہمیشہ کے لیے محفوظ ہے۔



شائزہ

چکن پکوڑا

اجزاء:
مرغی کا گوشت (بغیر ہڈی کے) ایک کلو، آئل تلنے کے لیے حسب ضرورت، سرخ مرچ دو چمچ یا حسب ذائقہ، دھنیا پاؤڈر ایک چمچ، ہلدی آدھا چمچ، سفید مرچ (پسی ہوئی) آدھا چمچ، پیاز درمیانی سائز کی ایک، نمک حسب ذائقہ، ادرک لہسن کا پیسٹ دو کھانے کے چمچ، پانی دو کپ، بیسن دو کپ، خشک دھنیا دو بڑے چمچ۔

ترکیب:
گوشت کو اچھی طرح دھولیں۔ دیگچی میں کھانے کے چمچ آئل ڈال کر گرم کریں اور باریک کٹی ہوئی پیاز ڈال دیں۔ جب پیاز گلابی ہو جائے تو ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں۔ اس کے بعد نمک، سرخ مرچ، ہلدی، سفید مرچ اور دھنیا پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح پکائیں۔ جب مصالحہ آئل چھوڑ دے تو گوشت ڈال کر 5 سے 7 منٹ تک ہلائیں۔ اب اس میں دو کپ پانی ڈال کر دیگچی کو ڈھک دیں جب تک پانی خشک نہ ہو جائے۔ پانی خشک ہونے پر چکن تیار ہو جائے گا۔ پکوڑے بنانے کے لیے بیسن تیار کریں اس میں نمک، ہلدی، لال مرچ اور خشک اور پانی ڈال کر پیسٹ بنائیں۔ اب چکن کے ٹکڑوں کو باری باری بیسن میں ڈپ کر کے تل لیں اور گولڈن ہونے پر گرما گرم پیش کریں۔

چکن رول اپ سینڈوچ

ٹورٹیلا کے اجزاء:
میدہ دو کپ، آٹا آدھا کپ، نمک آدھا چائے کا چمچ، بیکنگ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، تیل تین کھانے کے چمچ، گرم پانی گوندھنے کے لیے۔

فلنگ کے اجزاء: چکن بریسٹ (اسٹرپس) تین عدد، نمک ایک چائے کا چمچ، پسی لال مرچ ایک چائے کا چمچ، بھنا اور پسا زیرہ ایک چائے کا چمچ، کری پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، ادرک لہسن کا پیسٹ ایک چائے کا چمچ، اورنج کلر ایک چٹکی، لیموں کا رس دو کھانے کے چمچ، آئس برگ لیٹس حسب ضرورت، کٹے کھیرے (کیوبز) تین تا چار کھانے کے چمچ، کٹی شملہ مرچ (کیوبز) دو تا تین کھانے کے چمچ، سرکے والے کھیرے 4 عدد، کریم چیز چار کھانے کے چمچ، مایونیز دو تا تین کھانے کے چمچ، چیکو چٹنی دو تا تین کھانے کے چمچ۔



ترکیب:
ٹورٹیلاز بنانے کے لیے میدے کو نمک اور بیکنگ پاؤڈر کے ساتھ چھان لیں۔ اب اس میں تیل شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں پھر گرم پانی سے گوندھ کر درمیانی ڈو بنائیں اور ڈھک کر منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ اب اس کے پیڑے بنائیں اور پلیٹ کے برابر رول کریں اور گرم توے پر پکالیں۔ فلنگ بنانے کے لیے چکن اسٹرپس کو نمک، پسی لال مرچ، کری پاؤڈر، بھنا اور پسا زیرہ، ادرک لہسن کا پیسٹ، اورنج کلر اور لیموں کا رس سے میری نیٹ کر لیں۔ اب تیل کے ساتھ فرائی کریں، یہاں تک کہ چکن گل جائے۔ پھر ٹورٹیلاز لیں اس پر چار کھانے کے چمچ کریم چیز لگائیں۔ اب اس پر ضرورت آئس برگ لیٹس، کھیرے، کٹی شملہ مرچ، کھیرے اور چکن کا تیار مکسچر ڈال کر مایونیز اور چیکو چٹنی ڈال کر فولڈ کریں اور تھوڑا سا سکس لگا کر سرو کریں۔

مانڈے

اجزاء: میدہ ایک پاؤ، نمک آدھا چائے کا چمچ، پانی حسب ضرورت، تیل آدھا کپ۔

ترکیب: ایک پیالے میں میدہ، نمک اور پانی ڈال کر گوندھ لیں۔ اب اس کو تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں اور ہر پیڑے کو تل کر تیل لگا دیں۔ اس طرح چار پیڑوں کی تہہ لگا لیں اور ایک ساتھ بیلنگ لیں۔ اب مانڈوں کو کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیں۔

بیف روسٹ

اجزاء: گائے کا گوشت دو کلو کا ٹکڑا، سفید سرکہ ایک پیالی، دہی ڈیڑھ پیالی، پسا ہوا ادرک دو کھانے کے چمچ، سویا ساس دو کھانے کے چمچ، نمک حسب ذائقہ، تلے ہوئے آلو پیش کرنے کیلئے۔

ترکیب: گوشت پر دہی، ادرک، سرکہ، سویا ساس اور نمک لگائیں اور کانٹے سے اچھی طرح چاروں طرف سے گودلیں اسے دو گھنٹوں کیلئے رکھ دیں۔ گوشت میں دو پیالی گرم پانی ڈال کر پکائیں جب گوشت گل جائے تو ڈش میں نکال لیں۔ بچے ہوئے پانی میں ساس کے بچے شامل کریں اور روسٹ کے اوپر ڈال دیں۔ مزیدار روسٹ کو تلے ہوئے آلوؤں کے ساتھ پیش کریں۔

میٹھی ٹکیاں

اجزاء: میدہ ایک کپ، سوجی ایک کپ، دودھ ایک کپ، ناریل پسا ہوا ایک کپ، بیکنگ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، چینی پسی ہوئی ایک کپ، آئل یا گھی تین کھانے کے چمچ، آئل فرائی کے لیے

ترکیب: میدے میں بیکنگ پاؤڈر ڈال کر چھان لیں۔ سوجی میں میدہ، گھی، ناریل شامل کر کے گوندھیں۔ ضرورت ہو تو تھوڑا سا دودھ اور ملا لیں۔ تاکہ میدہ اچھی طرح گوندھا جا سکے۔ اب آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد بسکٹ نما ٹکیاں بنا کر ڈیپ فرائی کر لیں۔ میدے کی ایک چوتھائی انچ موٹی سی روٹی بیل کر اپنی مرضی سے چوکور یا مثلث ٹکیا بھی بنائی جا سکتی ہے۔

ماہنامہ پھول

باتیں اُن کی یاد رہیں گی



آبروئے صحافت

علمبردار نظریہ پاکستان

سچے اور محبِ وطن پاکستانی

ڈاکٹر مجید نظامی

ہم پھول بچے عہد کرتے ہیں کہ

نظریہ پاکستان کا علم اٹھائے

مستقبل کے معمار بن کر

آپ کے مشن کی تکمیل کریں گے



تاریخ وفات: 26 جولائی 2014ء (27 رمضان المبارک 1435ھ)

نظریاتی صحافت کا علمبردار۔نوائے وقت گروپ

Nation

پھول کیلنڈر 2015ء۔2016ء

July 2015

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30	31	

August 2015

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
						1
2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15
16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29
30	31					

September 2015

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30			

October 2015

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
				1	2	3
4	5	6	7	8	9	10
11	12	13	14	15	16	17
18	19	20	21	22	23	24
25	26	27	28	29	30	31

November 2015

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30					

December 2015

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

January 2016

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30
31						

February 2016

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
	1	2	3	4	5	6
7	8	9	10	11	12	13
14	15	16	17	18	19	20
21	22	23	24	25	26	27
28	29					

March 2016

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
		1	2	3	4	5
6	7	8	9	10	11	12
13	14	15	16	17	18	19
20	21	22	23	24	25	26
27	28	29	30	31		

April 2016

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
					1	2
3	4	5	6	7	8	9
10	11	12	13	14	15	16
17	18	19	20	21	22	23
24	25	26	27	28	29	30

May 2016

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
1	2	3	4	5	6	7
8	9	10	11	12	13	14
15	16	17	18	19	20	21
22	23	24	25	26	27	28
29	30	31				

June 2016

Su	Mo	Tu	We	Th	Fr	Sa
			1	2	3	4
5	6	7	8	9	10	11
12	13	14	15	16	17	18
19	20	21	22	23	24	25
26	27	28	29	30		

ماہنامہ "پھول" 23 کوئنز روڈ لاہور فون نمبر: 36307141-4 - 36314099 UAE:111-123-540 فیکس: 36367616

فائزہ سحاب

پاکستان کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو ایک خودمختار اور آزاد ملک دلوانا تھا ایک ایسا ملک جس میں مسلمان اپنے دین اور اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ طریقے سے





ہمیں ہر وقت قیام پاکستان کے مقاصد کو یاد رکھنا چاہئے

قیام پاکستان کا مقصد

زندگی بسر کر سکیں جہاں وہ اسلام کے احکامات کو آزادی سے پورا کر سکیں۔ کیونکہ پاکستان کے قیام سے پہلے مسلمان ہندوؤں کی غلامی کر رہے تھے۔ وہ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے تھے اور سب سے بڑھ کر ہندوؤں کی چھوٹی اور منافقانہ سوچ مسلمانوں کو اس عمل کیلئے اکسا رہی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے آزادی حاصل کریں تو ایسے میں جہاں قدرت یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سرسید احمد، قائداعظم محمد علی جناحؒ، علامہ محمد اقبالؒ اور دیگر عظیم رہنماؤں سے نوازا جنہوں نے اپنی پرواہ نہ کرتے ہوئے دن رات مسلم قوم کی آزادی کیلئے جدوجہد کی اور دو قومی نظریہ پیش کیا جس کا مطلب برصغیر کے تمام لوگوں کو اس بات سے اس خیال سے آگاہ کرنا تھا کہ برصغیر ہندوستان میں اسلام اور ہندومت دو الگ الگ مذہب ہیں اور یہاں مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ قوم ہیں۔ مسلمان تاریخ، مذہب، زبان، رہن سہن، لباس، خوراک اور زبان غرض ہر لحاظ سے ہندوؤں سے الگ قوم ہیں پھر یہ ایک جگہ کیسے رہ سکتی ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے فرمایا اسلام اور ہندو دھرم محض مذاہب نہیں وہ حقیقت مختلف معاشرتی نظام ہیں چنانچہ اس خواہش کو خواب و خیال ہی کہنا چاہئے کہ ہندو اور مسلمان مل کر مشترکہ قومیت تخلیق کر سکیں گے یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ نہیں کرتے نہ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ وہ دو مختلف تہذیبوں سے وابستہ ہیں ایسی تہذیبیں جن کی بنیاد ایسے تصورات اور حقائق پر رکھی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ضد میں متصادم ہیں۔ قائداعظمؒ نے فرمایا پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرک نہ ہندوؤں کی تنگ نظری کا سبب تھا نہ انگریزوں کی چال تھی بلکہ یہ صرف اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک جگہ فرماتے ہیں جو برصغیر میں پہلے بزرگ ہیں انہوں نے دو قومی نظریے کا پرچار کیا اور مسلمانوں کو اپنی جداگانہ قومیت وملت کا احساس دلایا اور آپ نے یہ بات مسلمانوں پر واضح کر دی کہ اگر اپنی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہندو ازم اور ہندوانہ رسومات کو ترک کر کے شریعت کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ بقول اقبالؒ

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اور پھر ہم خود بھی تو اس بات سے انکار نہیں کرتے ہیں کہ جب ہندو گائے کو پوجتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کو ذبح کرنے پر طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتے ہیں پھر وہ کیسے ایک ساتھ رہ سکتے تھے اور وہ اور مسلمان کیسے ایک قوم ہو سکتی تھی۔ وہ مسلمانوں کو ملیچھ یعنی ناپاک قرار دیتے تھے۔ پھر وہ کیسے مسلمان قوم سے تعلق رکھ سکتے تھے۔ قیام پاکستان کا مقصد یہ بھی تھا کہ دین کی حفاظت ہو سکے۔ ہندو چونکہ واضح اکثریت میں تھے اور ان کا مذہب اس سے قبل جین مت اور بدھ مت وغیرہ مذاہب کو اپنے اندر ضم کر چکا تھا اس لئے اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ کہیں اسلام کے ساتھ بھی یہاں بھی یہ رجحان ہو جائے۔ بقول اقبالؒ

اے گلستان اندلس وہ دن یاد ہیں تجھ کو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

اور سب سے بڑا مقصد نظام تعلیم و قومی زبان کا تحفظ تھا کیونکہ اردو کو ہندوؤں کی تنگ نظری کے باعث زبردست خطرہ لاحق تھا۔ وہ اردو کو مٹانا اور سنسکرت اور ہندی کو فروغ دینا چاہتے تھے جیسا کہ مہاتما گاندھی کا کہنا تھا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے جس کا رسم الخط قرآن جیسا ہے اس لئے ہم اسے گوارا نہیں کر سکتے۔ انہی تمام وجوہات اور چیزوں کو زیر غور لا کر قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبالؒ جیسے دیگر رہنماؤں نے مسلم قوم کیلئے ایک آزاد ملک اور خودمختار ریاست بنانے کا فیصلہ کیا اور آخر کار ان کی کوششوں اور انتھک محنت کی بدولت 23 مارچ 1940ء کو لاہور اقبال پارک جس کا نام اس وقت منٹو پارک تھا کے مقام پر قرارداد پاکستان منظور کی گئی جو قوم کیلئے مطمع نظر "پاکستان" کا تعین تھا لہٰذا اس منزل کے تعین ہوتے ہی مسلمانوں کے اپنی روایات کے مطابق ہر طرح کی جدوجہد اور قربانی کیلئے تیار جذبے ابھر پڑے اور پھر مسلمانوں کی بے پناہ قربانیوں اور ہماری عظیم ماؤں کی بے پناہ دعاؤں کی قبولیت کے بدلے ہمیں 14 اگست 1947ء اور 27 رمضان المبارک 1368ھ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ناقابل فراموش انعام اور تحفہ عطا ہوا جب ہر مسلمان کی زبان پر کلمات جاری ہوئے ہوں گے "الحمدللہ" یا اللہ تیرا شکر ہے" اور یقیناً خدائے بزرگ و برتر کے اس عظیم تحفے کے بدلے میں ہر مسلمان کی آنکھ سے خوشی کے آنسو ضرور چھلک پڑے ہوں گے۔ اب 67 سال کا عرصہ گزرنے کے بعد مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے بہت سے طور طریقے مغربی دنیا کے اپنائے ہوئے ہیں ہم نے اپنے مذہب اور اس کی تعلیمات کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے ہم اپنے آپ کو آزاد کروانے کا مقصد بھول چکے ہیں اور شاید ہم پاکستان کے قائم ہونے کا مقصد بھول چکے ہیں لیکن ....!!! ابھی بھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے ہمیں خود کو سنوارنا ہے خود کو آگے بڑھانا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کو بھلانا نہیں بلکہ اس پر عمل کر کے دکھانا ہے۔ اسی مذہب پر عمل کر کے ہم مغربی دنیا کو پیچھے چھوڑ سکتے ہیں۔ دنیا کو بتانا ہے کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو کشمیر میں ہیں جو فلسطین میں ہیں وہ اکیلے نہیں، وہ غلامی میں ہی نہیں رہیں گے وہ ضرور آزاد ہوں گے کشمیر ضرور پاکستان بنے گا کیونکہ ہم اس کے ساتھ ہیں اور یہ ہماری شہ رگ ہے اور جب تک شہ رگ ساتھ نہ ہو کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ ضرور ساتھ ملے گا کیونکہ ہم ابھی زندہ ہیں۔ کشمیر ضرور پاکستان بنے گا کیونکہ ہم ابھی زندہ ہیں۔

عہد ساز شخصیت...... مولانا رومی

ڈاکٹر محمد ارشد۔ انگلینڈ

مولانا رومی کو علامہ اقبالؒ اپنا روحانی مرشد مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ پیر رومی، پیر یزدانی، پیر حقیقت اور پیر عجم کہا ہے۔ رومی کو ساقی بتا تو۔ انہوں نے فارسی زبان میں قرآن پاک کے حقائق بیان کئے ہیں۔

مولانا رومی امریکہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ شاعر ہیں اور وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔

''خاموشی اللہ کی زبان ہے''

مولانا رومی نے خود کو دنیا کا بہترین اُستاد، قلندر، صوفی، زاہد، درویش، تاریخ دان، شاعر، مفکر، فقہ دان، محقق، قاضی، خطیب، مفتی، مثنوی نگار، موسیقار، قانون دان، فلاسفر، سائنسدان اور بے شمار زبانوں کا ماہر ثابت کیا۔ آپ مثنوی نگار کے طور پر مشہور ہیں۔

''محبت ہی خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔''

یونیسکو نے 2007ء کو مولانا رومی کے سال کے طور پر منایا جب ان کی 800ویں سالگرہ تھی۔

''ایسے دوست سے ہاتھ دھو لینا بہتر ہے جو میرے دشمنوں کے ساتھ بیٹھتا ہو''

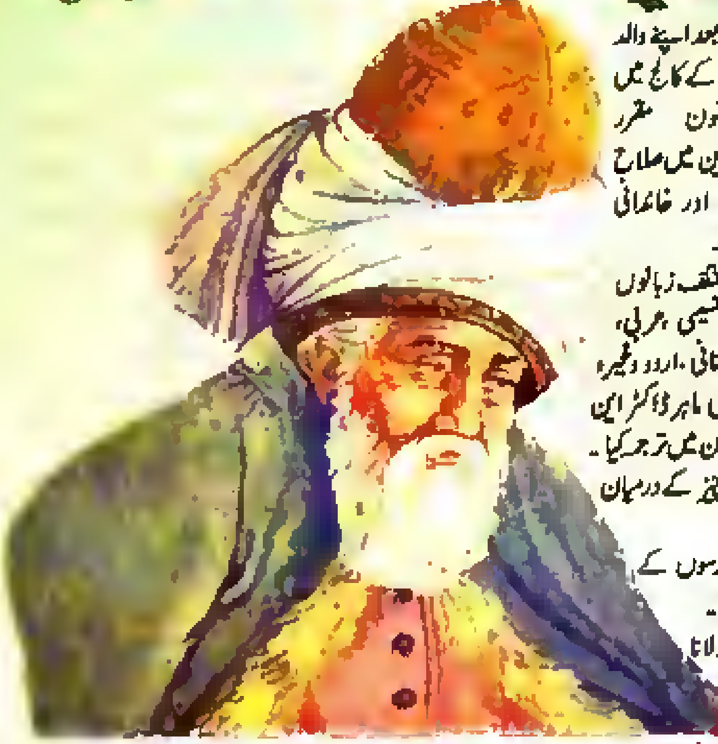
مولانا رومی کا نام جلال الدین محمد بلخی تھا۔ وہ 30 ستمبر 1207ء کو بلخ افغانستان میں پیدا ہوئے اور 17 دسمبر 1273ء کو بیماری کی حالت میں قونیہ ترکی میں فوت ہوئے۔ آپ کا نام پیدائش پر محمد تھا لیکن والد ان کو جلال الدین کہتے تھے۔ آپ حنفی سنی تھے اور صوفی ازم کے بانی تھے۔

ان کے والد بہاء الدین اور والدہ مومنہ خاتون تھیں۔ ان کے دادا حسین جلال الدین اور دادی ماما (مامی) تھیں۔ بہاء الدین انتہائی ذہین عالم اور سلسلہ حنفیہ کے بزرگ تھے۔ وہ مولانا رومی کے پہلے اُستاد تھے۔ اس کے علاوہ آپ کے اُستاد یہ تھے۔ شمس الدین تبریزی، فرید الدین عطار نیشاپوری، برہان الدین ترمذی۔

مولانا رومی نے دو شادیاں کیں۔ پہلی 17 سال کی عمر میں گوہر خاتون سے اور پھر قرہ خاتون (بیوہ) سے کی۔ ان کے بچے یہ ہیں: سلطان ولد، علی الدین، ملاکہ خاتون، مظفر الدین جلالی اور بہاء الدین ولد۔

مولانا رومی کے دو بھائی حسین اور علی الدین اور بہن فاطمہ خاتون تھیں۔ ان کی والدہ مومنہ خاتون کا سلسلہ نسب حضور پاک ﷺ سے ملتا ہے۔

مولانا رومی نے آٹھ سال کی عمر میں بغداد، خراسان، نیشاپور، شام، سمرقند اور اناطولیہ کا سفر شروع کیا۔ اس وقت منگولوں نے بلخ پر حملہ کیا تھا۔ دس سال کی عمر میں حج کیا۔



اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد اپنے والد کی وفات کے بعد انہی کے کالج میں پروفیسر آف قانون مقرر ہوئے۔ آپ کے مریدین میں صلاح الدین، حسام الدین اور خاندانی طبیب اکمل الدین تھے۔

آپ کے کلام کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ فرانسیسی، عربی، ہندی، فارسی، جرمن، یونانی، اردو وغیرہ۔ علامہ اقبالؒ کے کلام کی ماہر ڈاکٹر این میری شمل نے جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔

''محبت تمہارے اور ہر چیز کے درمیان پل ہے''

☆ مولانا رومی نے مدرسوں کے لئے ... کا نصاب بنایا۔

☆ مثنوی معنوی مولانا رومی نے برہان ... الدین، صلاح الدین اور حسام ... کے کہنے پر ... کو 43 سال میں مکمل ... میں 27000 اشعار ہیں۔

☆ دیوان ... یہ انہوں نے اپنے استاد شمس الدین کے احترام ... میں 40,000 فارسی شعر ہیں، اس کے علاوہ ... ترکی اور یونانی زبان میں بھی شعر کہے ہیں۔ اس ... 3200 غزلیں۔ اور 1800 سے زائد رباعیات لکھیں۔

☆ فیہ مافیہ: 71 لیکچر فارسی میں ہیں۔

☆ مجالس سعید: 7 وعظ مختلف اسمبلیوں کو ...

حدیث پڑھیں۔

☆ مکاتیب: یہ خطوط فارسی زبان میں شاگردوں، مریدوں، معاعدان اور بادشاہ شہزادوں کو لکھے۔

☆ مثنوی مولانا رومی: 275 کہانیاں 25,577 لائنوں پر ہیں۔

ابن بطوطہ عظیم مسلمان سیاح نے مولانا رومی کے قبیلے کا نام جلالیہ لکھا ہے، جو ایشیائے کوچک، شام، مصر اور قسطنطنیہ میں آباد ہیں اور مولویہ کہلاتے ہیں۔

مولانا رومی کو بچپن میں فرید الدین عطار نیشاپوری نے اپنے باپ کے پیچھے چلتے دیکھا تو کہا ''سمندر کے پیچھے بحر آرہا ہے (علم کا)''۔ آپ کی زندگی کا اہم واقعہ شمس الدین تبریزؒ سے ملاقات ہے۔

مولانا رومی نے کہا کہ صوفی کشف اور وجدان کے ذریعے اپنے محبوب خدا کے تمام احکام کی پیروی کرتا ہے۔ انہوں نے جوہر عشق کے متعلق لکھا اور علامہ اقبالؒ نے خوب لکھا ہے۔

''... کے پاس صبر کے سوا کچھ اور نہیں میرا ... فکر کے سوا کچھ اور نہیں''

مولانا رومی ... مذہب اور فرقے کے لوگوں سے پیار اور قلبی روابط رکھے۔ جن میں مسلمان، عیسائی، یہودی اور ہندو بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مذہبی لوگوں کا بادشاہ منوایا تھا۔ مولانا شبلی نعمانی، Helmut Ritter اور Frawklin Lewis نے مولانا رومی کا خوب گہرائی سے مطالعہ کیا۔

مولانا رومی کی عظمت ساری دنیا مانتی ہے اور ان کے کلام پر دنیا کی مشہور یونیورسٹیوں میں تحقیق جاری ہے۔ یہ عظمت مولانا رومی کو اپنے والدین کی شفقت، اساتذہ سے احترام اور حضور پاک ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے سے ملی۔ آپ ساری رات کھڑے ہو کر معارف بہاء الدین پڑھتے تھے۔ آپ بھی دنیا میں علم حاصل کر کے عزت حاصل کر سکتے ہیں۔

''اس طرح چمکو کہ ساری کائنات تمہاری ہے۔''

آپ بے شمار صلاحیتوں کے مالک تھے

علامہ اقبالؒ نے آپ کو اپنا روحانی مرشد قرار دیا

انجینئر ساجد انور ملک



سائنس کی دنیا

(گوہر طور ۔۔۔ ڈی جی خان)

سوال: کرومٹوگرافی (Chromato graphy) کیا ہوتی ہے اور اس کے فائدے کیا ہیں؟

جواب: Chroma یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی رنگ کے ہوتے ہیں اور graphy کا مطلب لکھائی میں آتا ہے۔ Chromato graphy کا مطلب ہے۔ کیمیائی کیمسٹری کے مجموعے کا جس کے ذریعے آمیزوں (mixtures) کو علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔

جس آمیزے کو ٹیسٹ یعنی علیحدہ کرنا ہوتا ہے ایک سیال مادہ (fluid) میں حل کیا جاتا ہے جس کو mobile phase کہتے ہیں۔ ایک اور واسطے (medium) میں اس کو داخل کیا جاتا ہے جس کو Stotionary Phase کہا جاتا ہے۔



آمیزے کے اجزاء مختلف رفتار سے حرکت کرتے ہیں جس سے وہ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ chormatography ساختی یا تیار شدہ (preparative) اور تجزیاتی قسم کی ہو سکتی ہے۔ پہلی قسم کا مقصد آمیزے کے اجزاء کو مزید بہتر کام کیلئے الگ کرنا ہے جبکہ تجزیاتی کرومٹوگرافی عموماً آمیزے کی کم مقدار کو استعمال کرتے ہوئے آمیزے کے اجزاء کی باہمی نسبت کو جانچنے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ دونوں آپس میں بالکل مختلف نہیں ہیں۔ Chromato graphy کے ذریعے آمیزے کے اجزاء کی پہچان اور پیمائش کرنا اور لیبارٹریوں میں ہونے والے تجزیوں جو کہ تحقیق کے لیے نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ میڈیکل کے شعبے اور کیمیائی شعبوں میں اس تکنیک سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

Chromato graphy تکنیک کا سہرا 1940ء اور 1950ء کے درمیان Archer John, Porter Martin اور Richard Lawrence وغیرہ نے اس تکنیک کے اصول وضع کیے۔ اس سے پہلے 1900ء میں روسی نژاد Mikhail Toret نے Chromotography دریافت کی اور استعمال کی۔ اس نے پودوں کے اجزاء الگ الگ کیے اور چونکہ ان کے رنگ مختلف تھے اس لئے اس تکنیک کا نام Chromato graphy رکھ دیا گیا۔ 1930ء اور 1940ء کے درمیان بھی اس تکنیک کی ترقی کیلئے کام ہوا۔ اور مختلف طرح کی Chromato graphy جیسا کہ paper، gas اور high performance liquid قسم کی کرومٹوگرافی کی تکنیک استعمال ہونے لگی۔ اب بہت حد تک حقائق عالموں کی تحقیق بھی شامل ہو گئی ہے۔

(ابو ۔۔۔ سلطان پور ملتان)

سوال: آٹو میٹک ووٹ کا وٹر کیسے کام کرتا ہے۔ اس کو کب اور کس نے ایجاد کیا؟

جواب: آٹومیٹک ووٹر ایک ایسی مشین ہوتی ہے جو خودکار طریقے سے ووٹ کی گنتی کرتی ہے اور دنیا میں مختلف ملکوں میں مختلف قسم کی ووٹنگ مشینیں بنی اور استعمال ہوئی۔ آہستہ آہستہ ان کی خامیوں کو دور کرکے مزید بہتر کار کردگی کیلئے ان کو ترقی دی گئی۔ آج تک صرف ووٹ کاؤنٹر مشین الگ سے اور ووٹنگ مشین ووٹ کاؤنٹر کا کام کرتی ہے البتہ ملکوں میں الیکشن کیلئے کرنسی گنتی مشینیں الگ سے بنی اور آج ان کی Digital شکل استعمال ہوتی ہے۔

1875ء میں برطانوی Kent میں رہنے والے شخص جس کا نام Henry Spratt تھا اس نے اپنی مشین بنائی اور اس کا امریکہ Patent حاصل کیا۔ اس میں Push buttons کی ایک قطار ہوتی تھی ہر بٹن ایک امیدوار کیلئے مخصوص تھا۔ جس بار وہ بٹن دبایا جاتا اسے ووٹ اس شخص کو مل جاتے۔ ایک شخص اپنی باری میں کسی بھی بٹن کو صرف ایک مرتبہ ہی پش کر سکتا تھا۔ اس میں Inter locking کی گئی تھی۔



1881ء میں امریکہ کے Elections میں استعمال کیلئے ایک شخص Anthony Beranek نے بھی ایک مشین کا پیٹرن Patent کروایا۔ اس مشین میں بھی Inter locking استعمال کی گئی اور ووٹنگ بوتھ میں لگے ہوئے دروازے کے سوئچ سے یہ مشین Lockand Reset ہوتی تھی۔ لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلی مشین صرف میکانکی ہوتی تھی اور ووٹر کو ایک گیند دیا جاتا تھا۔ امیدواروں کے الگ الگ سوراخ تھے جس سوراخ میں گیند ڈال دیا جاتا ووٹ اس امیدوار کو مل جاتا۔ کاؤنٹر کی وجہ سے ایک وقت میں ووٹر کو ایک گیند ہی دیا جاتا اور گیند مشین کی گنتی کو حرکت کرتے ہوئے واپس دوسری طرف نکل جاتا اور اگلے ووٹر کو دے دیا جاتا لیکن ایک Election میں مختلف پوزیشن کے امیدواروں کے خاطر میں یہ مشین زیادہ دیر استعمال نہیں ہوئی۔ آج کی مشین الیکٹرونک (ڈیجیٹل) ہیں اور ووٹر کی شناخت کے ساتھ سکرین کو touch سسٹم کی بدولت ووٹ ڈالتی ہیں اور ساتھ ساتھ گنتی بھی ریکارڈ کرتی جاتی ہیں۔

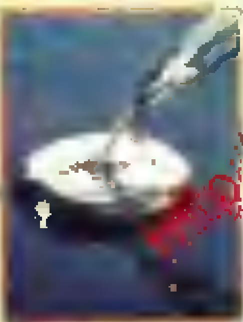
(شہزادہ اقبال ۔۔۔ گوجرانوالہ)

سوال: پارہ، سیسہ، پانی اور ہوا میں سے پارہ بھاری ہوتا ہے، کیوں؟ پارہ کیا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: پارہ جسے مرکری (Mercury) بھی کہا جاتا ہے ایک عنصر ہے جیسا کہ لوہا، ایلومینیم، سیسہ وغیرہ۔

ہر ایک عنصر کی ایک کثافت Density ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ عنصر ایک یونٹ میں کتنا وزن رکھتا ہے۔ پانی کی کثافت 1 کلوگرام فی لیٹر ہے جبکہ پارے کی کثافت 13.55 کلوگرام فی لیٹر اور سیسے کی کثافت 1135 کلوگرام فی لیٹر ہے سو جس کی کثافت زیادہ ہوگی وہ اتنا ہی بھاری ہوگا۔

پارہ مرکری ایک کیمیائی عنصر ہے۔ اس کا سمبل (Symbol) Hg اور اٹامک نمبر 80 ہے۔ اس کو عرف عام میں Quick Silver کا نام بھی دیا گیا ہے۔ مرکری وہ واحد دھاتی عنصر ہے جو کہ سٹینڈرڈ ٹمپریچر اور پریشر پر مائع کی حالت میں پایا جاتا ہے۔



قدرت میں یہ زیادہ تر cinnabar یعنی Mercuric Sulfide کی شکل میں پایا جاتا ہے۔ پارہ Cinnabar کو کیمیائی عمل Reduction سے گزار کر عنصری حالت میں حاصل کیا جاتا ہے۔ پارہ تھرمامیٹرز، بیرومیٹرز، میٹر میٹرز اور فلوٹ والو، مرکری سوئچز، مرکری rolayo۔ فلورسینٹ لیمپس اور اسی طرح کی دوسری devices میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پانی میں حل ہونے والے مرکری کے مرکبات سے مرکری پائزننگ ہو جاتی ہے پارے کے بخارات کو سانس کے ذریعے جسم میں اندر لے جانے سے بھی مرکری کے زہریلے اثرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ پانی میں حل ہونے والے پارے کے سالٹ جن میں Mercuric Chloride اور Methy mercury اور Methyl شامل ہیں سے مرکری کے زہریلے اثرات منتقل ہو سکتے ہیں۔ سمندری مچھلی کھانے سے بھی پارے کے زہریلے اثرات انسان میں منتقل ہو جاتے ہیں جب وہ مچھلی پانی میں حل ہونے والے پارے کے مرکبات سے بھرے پانی میں رہی ہو۔ کیمیائی طور پر مرکری Noblegas عنصر کی طرح کی خصوصیات رکھتی ہے جن کے Bonds کمزور ہوتے ہیں اور نسبتاً کم درجہ حرارت پر پگھل جاتے ہیں۔



ادھوری کہانیاں

ان پر تسلسل طنز کے تیر گر رہے تھے لیکن......

فاکہہ حنا گیلانی

سنو! جب احساسات کھوکھلے، جذبات ادھورے اور الفاظ بے معنی ہوں تو کہانیاں مکمل ہو جاتی ہیں؟! اس کے چہرے پہ معصومیت تھی یا طنز، میں سمجھ نہ سکی لیکن اس سوال پر میں چونکی ضرور۔

"میں نے ایک نئی کہانی لکھی ہے۔" اس کے سوال کو نظر انداز کر کے میں نے اس کو معلومات دیں۔

"جس کو بہترین کہانی کا اعزاز حاصل ہو گا۔ ہے نا؟؟"

اب اس کے چہرے پہ واضح طنز کا عنصر موجود تھا۔ "میں چاہتی ہوں کہ میں معاشرے کی عکاسی کروں، میرے لفظ ہر دل کی صدا بن جائیں اور سسکتی ہوئی انسانیت کے زخموں کا مداوا ہو۔" میں نے ایک بار پھر اس کی باتوں کا برا منائے بغیر اپنی بات کہہ دی۔

"جب بہار میں بھی کسی ریگ زدہ درخت پر نئی کونپلیں نہیں پھوٹتیں تو اس پیڑ کی حسرت کو لفظوں کا روپ دے سکتی ہو؟

ایک پر کٹا پرندہ پنجرے میں سے نکل کر جب فضاؤں میں محو پرواز طیور کو دیکھتا ہے تو اس کی مایوسی کو لفظوں کا پیرہن پہنا سکتی ہو؟

تم اپنے لفظوں کا جال بچھا کر کسی بے گناہ قیدی کی سزا معاف کروا سکتی ہو؟

تم اپنے خیالات کا انجکشن لگا کر کسی غریب بے بس بیمار کو تندرستی کی نوید سنا سکتی ہو؟

اپنے لفظوں کے ہیر پھیر سے معصوم لوگوں کا استحصال ہونے سے روک سکتی ہو؟

چلو اور کچھ نہیں تو بس اتنا کرو کہ اپنے قلم کی جادوگری سے ہر سال چند قابل اور ذہین طالب علموں کو ملک کی نامور یونیورسٹیوں میں داخلہ دلا دیا کرو۔ کچھ تو کیا کر سکتی ہو ایسا؟؟"

اس کا لہجہ سفاک ہو چکا تھا۔

"لیکن......" میں نے اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہا۔

"لیکن یہ کہ تمہارے الفاظ تمہارے ہونے کا ثبوت تو دے سکتے ہیں، تمہیں اعزازات اور انعامات تو عطا کر سکتے ہیں، تمہیں عزت، طاقت، دولت اور شہرت کا مالک بنا سکتے ہیں لیکن اس دہاڑی دار مزدور کو پھر بھی اسی دھوپ کی شدت میں پسینہ بہاتے ہوئے دو وقت کی روٹی کے عوض کام کرنا پڑے گا، جس کی مجبوریوں کو تم لفظوں کا عنوان بنا کر حلقہ اہل دانش میں تم اپنا مقام بناؤ گی اور کم عمر بچے پھر بھی اپنے استاد کی جھڑکیاں ہی سنیں گے۔ سکول جاتے بچوں کو حسرت سے دیکھیں گے جن کے لیے چائلڈ لیبر قوانین ہیں۔ جب ان کے والدین کو بتائے جاتے ہیں وہ بے حسی یا پھر شاید بے بسی سے پوچھتے ہیں کہ ان کو سکول بھیج دیں تو پیٹ کا جہنم کیسے بجھائیں؟۔ چلو یہ سب باتیں بھی چھوڑو صرف اتنا بتاؤ کہ ایک ان پڑھ، مزدور اور تعلیم سے بے بہرہ ایک بچے کو کیا معلوم کہ کوئی اس کے دکھوں سے کیسے کیسے شعر تخلیق کر رہا ہے؟"

"میں یہ سب اس لیے لکھتی ہوں تاکہ بااختیار لوگوں کو احساس ہو اور ان معصوم لوگوں کو ان کے حقوق مل سکیں۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"تو مل گئے ان کو ان کے حقوق؟" اس کے لہجے میں درشتی کو میں نے واضح محسوس کیا۔ "میں اپنے حصے کا کردار ادا کر رہی ہوں۔ اب اگلا کردار ان لوگوں کا ہے جو ذمہ دار ہیں۔" میں نے وضاحت کی۔

"جو ذمہ دار اور بااختیار ہیں، وہ ان عہدوں پر متمکن ہونے سے پہلے حلف لیتے ہیں کہ وہ یہ ذمہ داریاں پوری کریں گے۔ انہیں رہنمائی یا مشورے کی نہیں بلکہ رحا اور ہدایت کی ضرورت ہے۔" اس کے پاس ٹھوس دلائل موجود تھے۔

"پھر میں کیا کروں؟ کیا میں لکھنا چھوڑ دوں؟" میں نے بالآخر ہتھیار پھینک دیے۔

"نہیں لکھنا نہ چھوڑو۔ لیکن جہاں تم معاشرے کی حقی تصویریں دکھا کر حساس قارئین کو آنسو بہانے پر مجبور کرتی ہو وہاں عمل کی ترغیب سے پڑھنے والے کی سوچ کو ایک نئی جہت عطا کر سکتی ہو۔"

"مثلاً"؟ میں نے پوچھا۔

"مثلاً"...... اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔" بہت آسان سی بات ہے۔ اپنی تحریروں کے ذریعے تمہارا رابطہ ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہر پڑھے لکھے شخص سے ہے۔ تم چائلڈ لیبر کی مذمت کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو متحرک کر سکتی ہو کہ فارغ اوقات میں ان بچوں کو پڑھا دیا کریں۔ پھر پرائیویٹ داخلے بھجوا کر ان بچوں کو بھی تعلیم کی روشنی سے بہرہ ور کریں تاکہ وہ باعزت روزگار حاصل کر سکیں۔ تم چلچلاتی دھوپ اور جاڑے کی ٹھنڈ میں کام کرنے والے غریب مزدوروں کی کسمپرسی بیان کرتے ہوئے تمام باروزگار افراد پہ زور دو کہ وہ ہر ماہ اپنی تنخواہ سے زیادہ نہ سہی کچھ حصہ ان لوگوں کی مدد کے لیے مختص کریں۔

ہمارے ملک کے پسماندہ علاقوں میں آج بھی کسان روایتی طریقوں سے فصلیں اگانے پہ مجبور ہیں۔ تم زرعی یونیورسٹیوں کے طالب علموں کو یہ تحریک دے سکتی ہو کہ وہ ان علاقوں کا دورہ کریں اور ایسے کسانوں کو جدید طریقوں سے آگاہ کریں تاکہ ان کی استعداد کار میں اضافہ ہو اور اس طرح ملک کے روزگار میں اضافہ ہو۔

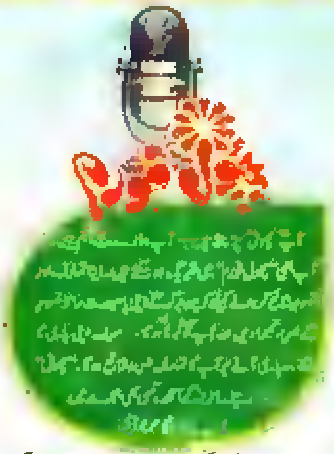
معاشرے کا ناسور بیان کر کے مختصراً میں یہ کہنا چاہوں گی کہ تم اپنے قارئین کو رونے اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر کڑھنے کی بجائے مثبت عمل کے ذریعے کچھ کرنے اور بہتری لانے کی ترغیب دو اور یقین کرو کہ اگر تمہاری کسی تحریر سے کسی ایک فرد کی زندگی میں بھی تبدیلی آ گئی تو یہ تمہارے لیے کسی نوبل انعام سے بھی بڑا اعزاز ہو گا۔"

اس نے پریقین لہجے میں کہا

اور میرے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے مجھے سوچنے کا ایک نیا انداز دے دیا تھا اور اب مجھے یقین تھا کہ میری کہانیاں ادھوری نہیں رہیں گی۔



امیر حسن ۔ [illegible] ۔ محمد اکرام ۔ عائشہ مکی ۔ چوہدری جبل ۔ محمد علم ۔ جام مستان فقیر ۔ سدرہ کامران



نام ۔۔۔ سالار حسن ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 3-08-2004 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ قرآن حفظ کرنا ۔ گیم کھیلنا [illegible] بننا ۔۔۔ پاک فوج میں جانا چاہتا ہوں ۔ تبدیلی ۔۔۔ مطالعہ کا شوق ہے ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 3-8-2011 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ کرکٹ کھیلنا ۔ [illegible] ۔۔۔ فوجی بننا ۔۔۔ ابھی تو بہت چھوٹا ہوں (ابھی تو بڑی بڑی کرنے ہیں) پتہ ۔۔۔ سیالکوٹ کینٹ

☆☆☆

نام ۔۔۔ محمد اکرام ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 20-8-1998 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ پھول پڑھنا ۔ کتابیں پڑھنا ۔۔۔ اسلام کی خاطر شہید ہونا (شاباش اللہ سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے) تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ عائشہ مکی ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 1-8-2000 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ ڈاکٹر بننا ۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ چوہدری جبل ۔ [illegible] تاریخ پیدائش ۔۔۔ 5-8-1993 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ کرکٹ کھیلنا ۔ [illegible] ۔۔۔ اس ملک کو [illegible] تبدیلی ۔۔۔ جذبہ حب الوطنی [illegible] (آپ کی قدر نہیں) [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ محمد علم ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 31-8-2000 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ کرکٹ کھیلنا ۔ پھول پڑھنا ۔۔۔ فوجی بننا ۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ معلومات میں اضافہ کیا ہے ۔۔۔ لاہور

☆☆☆

نام ۔۔۔ جام مستان فقیر ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 14-8-2000 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ پھول پڑھنا ۔ کرکٹ کھیلنا ۔۔۔ [illegible] کمیں چاہوں گا (یعنی سیاستدان نہیں بنوں گا) تبدیلی ۔۔۔ سب کچھ [illegible] پتہ ۔۔۔ مظفر گڑھ

☆☆☆

نام ۔۔۔ سدرہ کامران ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 10 اگست 2004 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ کہانیاں پڑھنا ۔۔۔ انجینئر بننا اور پاکستان کی خدمت کرنا ۔ تبدیلی ۔۔۔ اردو کی ریڈنگ [illegible] پتہ ۔۔۔ فیصل آباد

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] حسن ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 24-8-2000 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ مطالعہ کرنا ۔۔۔ فوجی بننا ۔ پاک سرحد کی حفاظت (ضرور) تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ فیصل آباد

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] حسین ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 14-8-1994 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ اسلامی کتابیں پڑھنا ۔۔۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 24-8-2001 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ ڈاکٹر بننا ۔ تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ محمد جاوید کھوکھر ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ [illegible]-1995 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ مطالعہ کرنا اور مصوری کرنا ۔۔۔ صحافی بننا (دیکھیں بن کے) تبدیلی ۔۔۔ معلومات میں اضافہ ہے ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ زبیدہ خاتون ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 1-8-1963 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ فیصل بن نصر ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 30-8-2000 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ کہانیاں پڑھنا (لکھنا بھی شروع کریں) ۔۔۔ انجینئر بننا ۔ تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ فہد مصطفیٰ ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 27-8-1998 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ پھول پڑھنا ۔۔۔ انجینئر بننا (ضرور بنیں) تبدیلی ۔۔۔ معلومات میں اضافہ کیا ہے ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] فاطمہ ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 3-8-2003 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ فارغ وقت میں [illegible] ۔۔۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ گل لالہ ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 25-8-2002 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ ڈاکٹر بننا [illegible] تبدیلی ۔۔۔ مطالعہ کا شوق پیدا کیا ہے ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] مصطفیٰ ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 26-8-2004 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ کھیلنا کودنا ۔۔۔ ڈاکٹر بننا [illegible] تبدیلی ۔۔۔ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا ہے ۔۔۔ لاہور

☆☆☆

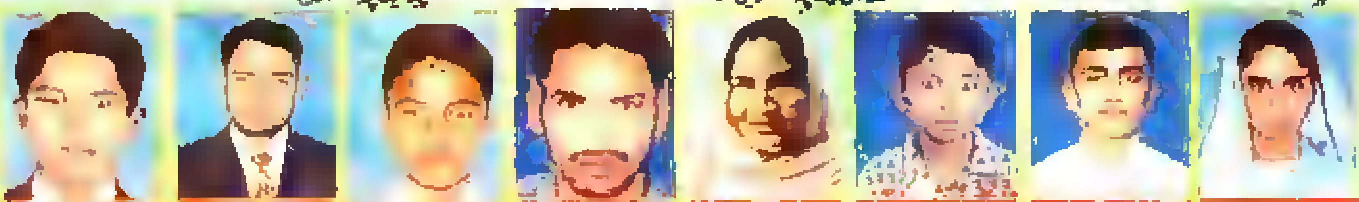
نام ۔۔۔ [illegible] ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 30-6-1975 (سالگرہ مبارک ہو) ۔۔۔ پھول رسالہ پڑھنا ۔۔۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ [illegible]

☆☆☆

نام ۔۔۔ [illegible] ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 25-8-1997 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ [illegible] تبدیلی ۔۔۔ [illegible] پتہ ۔۔۔ فیصل آباد

☆☆☆

نام ۔۔۔ بشریٰ ظفر ۔ تاریخ پیدائش ۔۔۔ 29-8-2003 (سالگرہ مبارک ہو) مشاغل ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ اسلامی تعلیم پر [illegible] تبدیلی ۔۔۔ پڑھنے کا شوق پیدا کیا ہے ۔۔۔ [illegible]



[illegible] ۔ [illegible] ۔ محمد اکرام ۔ محمد جاوید کھوکھر ۔ زبیدہ خاتون ۔ [illegible] ۔ فہد مصطفیٰ ۔ [illegible] فاطمہ

نرالے ہیں انداز ہمارے



یوم آزادی مبارک ہو۔ دعا جنبل۔ سرگودھا



ہم نے عید پر خصوصی طور پر یہ لباس پہنا تھا۔ محمد صلاح الدین۔ راولپنڈی



امی ابو کو دیکھ کر خوش ہو رہی ہوں۔ پری زے۔ لاہور



یوم آزادی پر ہم قائداعظم کے مزار پر ضرور جاتے ہیں
مومنہ ندیم خان۔ مومن ندیم خان۔ وار برٹن سٹی



جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ پرنس سلمان یوسف۔ بہاولپور



[illegible] ۔ ملتان



کیسی پیاری تصویر ہے میری۔ عشال فاطمہ۔ لاہور



ابو (آصف علی) کے ساتھ دبئی میں رہ کر بہت مزہ آرہا ہے۔ اذان حیدر۔ دبئی



پہلا روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈھیروں دعائیں مانگی ہیں۔ محمد احسن کمال۔ خانیوال



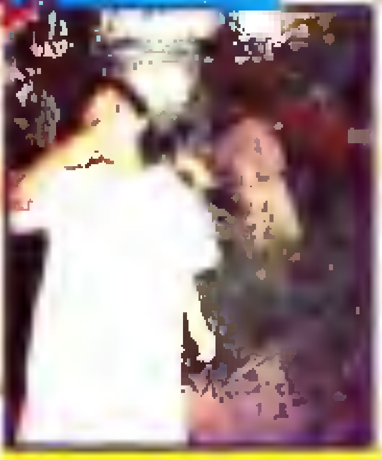
پہلا روزہ ... گھر والوں نے مبارکباد دی ہے ... شہور؟



تصویر اتروا تے ہوئے مجھے ذرا شرم آجاتی ہے۔ پری وش۔ آسٹریا



اپنی جماعت کی ذہین ترین طالبہ ہوں۔ بینش فاطمہ۔ لاہور



بچپن کے وہ بھی کیا دن تھے جب برف کے گولے کھایا کرتے تھے۔ شمع خالد۔ جڑانوالہ



ری پیام کا رنگ مجھے پسند ہے۔ سانس جاری۔ ... کی شکوال۔ ...

مسکراہٹیں



سحر ضیاء



گاہک

گاہک (دکان دار سے): تم دوزخ میں جانا پسند کرو گے یا جنت میں؟۔
دکان دار: جہاں گاہک زیادہ ہوں۔

(تماضر ساجد۔ صادق آباد)

☆☆☆

الو

بڑا بھائی چھوٹے بھائی کو ڈانٹتے ہوئے: "تم نے کبھی الو دیکھا ہے؟"۔
چھوٹا بھائی (ڈر سے سر جھکاتے ہوئے): "نہیں"
بڑا بھائی: "نیچے کیا دیکھتے ہو میری طرف دیکھو"۔

☆☆☆

سزا

ایک شریر بچے نے کلاس میں داخل ہوتے استاد سے سوال کیا "جناب! جو کام میں نے کیا ہی نہ ہو اس کی سزا بھی مجھے ملنی چاہیے؟"۔
"ہرگز نہیں" استاد نے کہا۔
"تو سر! آج میں نے اپنا ہوم ورک نہیں کیا"۔

(محمد اسد اللہ غالب۔ ہارون آباد)

☆☆☆

وجہ

ننھے نے ایک روز گھر آ کر شکایت کی۔ اسے کلاس میں بلیک بورڈ دکھائی نہیں دیتا۔ والدین بہت گھبرائے اور آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ اس نے معائنہ کیا تو آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔ اب بات اور پیچیدہ ہو گئی۔ ڈاکٹر نے تنگ آ کر ننھے سے پوچھا آخر تمہیں بلیک بورڈ کیوں نظر نہیں آتا؟۔
میری اگلی سیٹ پر ایک لمبے قد والا لڑکا بیٹھتا ہے۔ ننھے نے معصومیت سے جواب دیا۔

☆☆☆

اعلان

شاہد ساحل کی سیر کر رہا تھا کہ اس نے سمندر میں ایک شخص کو چیختے ہوئے سنا۔ بچاؤ بچاؤ مجھے تیرنا نہیں آتا۔
شاہد نے ہنستے ہوئے کہا: مجھے کون سا تیرنا آتا ہے مگر میں نے کبھی تمہاری طرح چیخ چیخ کر اعلان نہیں کیا۔

☆☆☆

وقت

ایک لفٹ آپریٹر لوگوں کے بار بار وقت پوچھنے پر تنگ آ گیا تھا بالآخر اس نے ایک کلاک خرید کر لفٹ میں لگا دیا۔ اب لوگ اس سے وقت نہیں پوچھتے تھے بلکہ ہر کوئی ایک ہی سوال کرتا "کیا یہ کلاک ٹھیک ہے؟"

(عدیلہ ۔ نورت عباس)

☆☆☆

اچھے آدمی

آصف: یہ قبر اللہ بخش کی ہے۔
آمنہ: اچھے آدمی تھے مرتے وقت اپنا سب کچھ یتیم خانے کو دے گئے۔
احمد: اچھا بھلا انہیں بھی معلوم ہو کیا کچھ دے گئے؟
آصف: یہی 7 لڑکے اور پانچ لڑکیاں۔

(محمد اقبال گلشن۔ ترکھانوالی)

☆☆☆

سفیدی

بیٹا: (امی سے) امی آپ کے سر کے بال سفید کیوں ہوتے جا رہے ہیں؟۔
امی: بیٹا جب تم مجھے تنگ کرتے ہو تو میرا ایک بال سفید ہو جاتا ہے۔ جب تم پھر تنگ کرتے ہو تو پھر ایک اور بال سفید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر تم مجھے تنگ کرتے رہو گے تو میرے سارے کے سارے بال سفید ہو جائیں گے۔
بیٹا: اچھا اب میری سمجھ میں آیا کہ نانی اماں کے سارے کے سارے بال سفید کیوں ہو گئے ہیں۔

(حافظ غلام مصطفیٰ۔ گرین ٹاؤن گوجرانوالہ)

☆☆☆

کمی

چین نے ایک بہت ہی باریک لکھنے والی سوئی بنائی۔ امریکہ میں وہ سوئی بھیجی اور پوچھا کہ کیا اس میں کوئی کمی ہے؟ امریکہ نے خوب تعریف کی اور کہا کوئی کمی نہیں، پھر جاپان سے کہا کہ کوئی کمی رہ گئی ہے تو بتاؤ۔ جاپان نے جواب دیا زبردست ہے کوئی کمی نہیں۔ پھر پاکستان بھیجی گئی۔ پاکستان نے اس پر Made in Pakistan لکھ کر واپس بھیج دی اور کہا یہی کمی تھی۔



☆☆☆

جواز

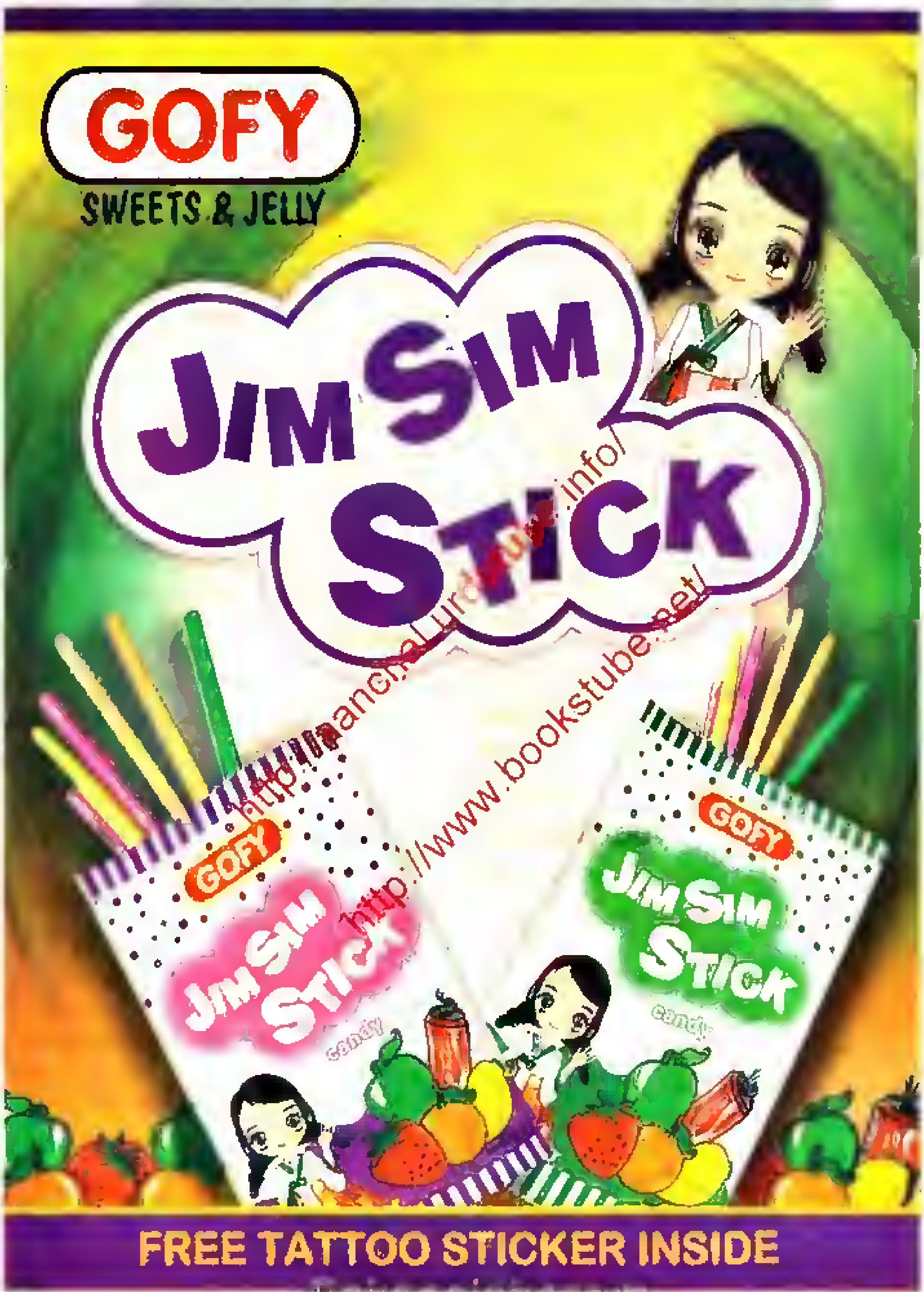
ایک شخص رات کے وقت قبرستان میں بیٹھا چرس پی رہا تھا۔ ایک پولیس والے کو آتا دیکھ کر اس نے چرس چھپالی اور دعا مانگنے لگا۔ پولیس والے نے پوچھا بھائی صاحب یہاں کیا کر رہے ہو؟ وہ بولا: اپنے والد کی قبر پر دعا مانگ رہا ہوں۔ پولیس والا بولا پر یہ تو بچے کی قبر ہے؟ وہ شخص گھبرا کر کہنے لگا۔ وہ بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔

(تارہ نعیم۔ جہلم)

☆☆☆

گولی

ایک آدمی سر کے درد کی گولی کھا کر الٹا لٹکنے لگا تو کسی نے پوچھا کس لیے کیوں لٹکے ہوئے ہو۔
آدمی نے کہا سر کے درد کی گولی کھائی ہے کہ کہیں پیٹ میں نہ چلی جائے۔


GOFY
SWEETS & JELLY
JIM SIM
STICK
GOFY
JIM SIM
STICK
candy
GOFY
JIM SIM
STICK
candy
FREE TATTOO STICKER INSIDE

پھول بڑا مقبول — انعامات کی برسات

سائنس کی دنیا

سوال ....

نام .... عمر ....

مکمل پتہ ....

فون نمبر ....

صفحہ بتایئے

یہ ہیں صفحات کے نمبر:

1 .... 2 .... 3 .... 4 .... 5 ....

نام .... عمر ....

مکمل پتہ ....

فون نمبر ....

جوابات کوئز کی دنیا

1 .... 2 .... 3 ....

4 .... 5 ....

نام .... عمر ....

مکمل پتہ ....

فون نمبر ....

زبردست جملہ

جملہ ....

نام .... عمر ....

مکمل پتہ ....

فون نمبر ....

پھول فورم

تصویر

نام ....

تاریخ پیدائش ....

مشاغل ....

مستقبل کے ارادے ....

"پھول" نے آپ میں کیا تبدیلی پیدا کی ....

مکمل پتہ ....

فون نمبر ....

جوابات دارالسلام کوئز

نام: .... ولدیت: ....

عمر: .... تعلیم: ....

مکمل پتہ: ....

فون نمبر ....

(جوابات کے کاغذ پر کوپن کے ہمراہ بھجوائیں)

بہترین کہانی

کہانی .... مصنف ....

نام: .... ولدیت: ....

مکمل پتہ: ....

فون نمبر ....

- ہر سلسلے کیلئے الگ الگ کوپن پُر کریں اور ہر کوپن میں نام، عمر، مکمل پتہ لکھنا ضروری ہے۔ فون نمبر لکھنا ضروری نہیں۔ • کوپن کاٹ کر الگ الگ کر کے کوئی بھی اور تمام کوپن ایک ہی لفافے میں بھجوائے جاسکتے ہیں۔
- کوپن ہر ماہ کی 10 تاریخ تک ... جانے چاہئیں ورنہ قرعہ اندازی میں شامل نہیں کئے جائیں گے۔ • جوابات کیلئے کوپن پر جگہ کم ہو تو الگ صفحہ استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن کوپن ہمراہ بھجوانا ضروری ہے۔

صفحہ بتایئے انعام پایئے

تحریک طاہر

نمرہ فاطمہ (مظفر آباد) محمد رضوان احمد خان (گوجرانوالہ) محمد عرفان شاہد (وہاڑی)، شاہ ایمان (ملتان) فہا کی ریاض (آزاد کشمیر) مریم اعجاز (لاہور) شاہد نعیم (بگرام) فرحان احمد (خانیوال) شائستہ ظفر (خانیوال) محمد اسد اللہ ناصر (بہاولپور) حفصہ حافظ (چنیوٹ) عبدالباری (اٹھاریاں) محمد عدیل ظفر (فورٹ عباس) ہشام شکیل (آزاد کشمیر) محمد عدنان انجم (خانیوال) عبدالحفیظ شاہد (خانیوال) عبداللہ گوہر (گوجرانوالہ) محمد بلال نشاط (لاہور) حیان مرزا (حیدرآباد)، مریم کاشف (حیدرآباد) عاقب جنید (چوآسیدن شاہ) طوبیٰ جاوید انصاری (بہاولنگر) محمد ذیشان بابر (خانیوال) سید حسن عمران (میانوالی) ماہ رخ (حیدر آباد) ناصرہ تحریم (کراچی) تہنیت آفرین (منڈی بہاؤالدین) احمد حسن (نیو ملتان) محمد حمزہ لغاری (میانوالی) محمد ارباز یاسین (رکھوالا) امیر حمزہ یاسین (رکھوالا) منیش کول (صوابی) حسان علی (جہلم) شاہ حمید (بہاولنگر) محمد محمود (جہلم) اقرا حمید رحمانی (بہاولنگر) میاں اویس احمد میر (گوجرانوالہ) ایمان زہیر سدھو (جہانیاں منڈی) [illegible] خان (پشاور) رمشاء خان (پشاور) سحر وشہ شفیق (ملتان) ابیحہ اسلام مغل (شیخوپورہ) محمد دانیال (گجرات) زہرہ عطاریہ (سیالکوٹ) سعدیہ کنول (ترنڈہ محمد پناہ) طلحہ اصغی (حسن) محمد سجاد احمد کھوکھر (بہاولپور) سارہ جاوید (لاہور) [illegible] حسین (بوریوالا) ماریہ جاوید (لاہور) ثناء کرم (بزمان) نبیل رمضان (ٹوبہ ٹیک سنگھ) وقار احمد (ٹوبہ ٹیک سنگھ) شارہ [illegible] ولادر حسین (گلگت بلتستان) محمد طاہر (آزاد کشمیر) نوریہ بدر (سیالکوٹ) [illegible] (چوکسر دو شہید) شگفتہ جمیل سامعہ [illegible] (کوئٹہ)۔

اس ماہ کے جملے

1۔ میں خواب میں ہوتا تھا جہاں آج وہاں ہوں۔

2۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔

3۔ دعائیں دیتے ہیں ہم صبح و شام تجھے اے ماں۔

4۔ میں نے خوشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

5۔ "کون ہو تم؟" ایک سپاہی نے اسے گھورا۔

کوئز کی دنیا

1۔ حضرت عبدالمطلب کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا رشتہ تھا؟

2۔ قرارداد پاکستان کس نے پیش کی؟

3۔ مسلمانوں کے آخری بادشاہ کا نام بتایئے؟

4۔ پاکستان میں کرکٹ کی سب سے بڑی ٹرافی کونسی

5۔ پاکستان کی پہلی خاتون سفیر کون تھیں؟

اس ماہ کے جملے

جو پانچ جملے دیے گئے ہیں وہ "پھول" کے مختلف صفحات پر موجود ہیں وہ پانچ جملے تلاش کریں اور پھول میں موجود کوپن پر ان صفحات کے نمبر لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوا دیں۔

زبردست جملہ

آخری صفحے پر شائع کی گئی تصویر کے حوالے سے زبردست جملہ "پھول" میں موجود کوپن پر لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوا دیں اور انعام پائیں۔

انعام یافتگان کی وضاحت

صفحہ بتایئے

1۔ عبداللہ گوہر ۔۔۔۔۔۔ گوجرانوالہ

2۔ محمد اسد اللہ ناصر ۔۔۔۔۔۔ بہاولپور

3۔ عبدالحفیظ شاہد ۔۔۔۔۔۔ خانیوال

4۔ سحر وشہ شفیق ۔۔۔۔۔۔ ملتان ایئر پورٹ

5۔ سید حسن عمران ۔۔۔۔۔۔ میانوالی

صفحہ بتایئے ۔ درست جوابات

(I) 8 (II) 55 (III) 28
(IV) 27 (V) 36

دارالسلام کوئز

1۔ آمنہ تنویر ۔۔۔۔۔۔ خوشاب

2۔ توقیر احمد ۔۔۔۔۔۔ کوئٹہ

3۔ عادل ریاض ۔۔۔۔۔۔ بھمبر

4۔ سلیب خان ۔۔۔۔۔۔ پشاور

5۔ اقراء شمس ۔۔۔۔۔۔ ڈی آئی خان

دارالسلام کوئز ۔ درست جوابات

(I) والدہ ماجدہ (II) فاطمہ بنت عمرو (III) محمد علی جناح
(IV) 10 سی (V) پی پی ایچ

زبردست جملہ

1۔ محمد عدنان انجم ۔۔۔۔۔۔ خانیوال
تیرے دم سے بہاریں بل گئیں ہم کو زمانے میں
دعائیں دیتے ہیں ہم صبح و شام تجھے اے ماں

2۔ زہرہ عطاریہ ۔۔۔۔۔۔ سیالکوٹ
کبھی لگتی ہیں مجھے میرے ہاتھوں کی سب انگلیاں
جانے کس انگلی کو پکڑ کر میں نے مجھے چلنا سکھایا ہے

3۔ ولادر حسین ۔۔۔۔۔۔ گلگت بلتستان
خوشیوں بھرا سارا جگ رکھتی ہے ماں
پر کتنی طاقت پیار رکھتی ہے ماں

4۔ شاہد انور ۔۔۔۔۔۔ نارووال
وہ ایک ماں ہے جس کے حسین چہرے کو
خدا کے نور سے معمور دیکھا ہے

5۔ محمد دانیال ۔۔۔۔۔۔ گجرات
تیرے ہی دم سے ہے روشن میرا یہ جہاں
تو ہمیشہ سلامت رہے میری پیاری ماں

تین بہترین کہانیاں

اول کہانی: نخمی کی ایک کھلاڑی ۔ ڈاکٹر فضیلہ ناصر
دوم کہانی: سجھے ہیں کہ ۔۔۔ کھلاڑی علی قمر تصور
سوم کہانی: ایک اور قربانی ۔ کھلاڑی شہباز اقبال

غزنی اقبالوی اور محمد طاہر عمیر اس مقابلے میں شامل نہیں ہوئے اس لئے ان کے نام نکال کر

کوئز کی دنیا

1۔ شائستہ ظفر ۔۔۔۔۔۔ خانیوال

2۔ ثناء کرم ۔۔۔۔۔۔ بزمان

3۔ سلمیٰ علی ۔۔۔۔۔۔ لمس

4۔ عرفان شاہد ۔۔۔۔۔۔ بورے والا

5۔ [illegible] ۔۔۔۔۔۔ کراچی

کوئز کی دنیا (2015ء) کے درست جوابات

(I) محمد حمایل (II) [illegible] الفرق
(III) نصرت سکتی (IV) [illegible]



جولائی 2015ء میں شائع ہونے والے زبردست جملہ کی تصویر

فرح اکرم

قارئین کی منتخب تحریروں
سے مزین رنگا رنگ سلسلہ

دلچسپ معلومات اور رنگا رنگ تحریروں کا گلدستہ

اے انسان

موت کے بعد تیرا
مال
وارثوں کے لیے
روح
ملک الموت کے لیے
گوشت
کیڑوں کے لیے
ہڈیاں
مٹی کے لیے
نیکیاں
قرض خواہوں اور آخرت کے لیے

(عبدالعلی۔ تھمن آباد)

ذرا غور کریں

قرآن پاک جن اوراق پر لکھا جاتا ہے وہ پاک ہو گئے ہیں۔ جس کپڑے میں قرآن پاک رکھا جاتا ہے (یعنی غلاف) وہ بھی پاک ہوتا ہے تو جس زبان سے قرآن پڑھا جائے (تلاوت کی جائے) وہ بھی پاک ہو گی نا لہٰذا زیادہ سے زیادہ قرآن پاک پڑھیں تاکہ ہماری زبان پاک رہے اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

(انتخاب: نعیم اللہ۔ بڑانوالہ)

ایک حقیقت

☆ اشفاق احمد کہتے ہیں کہ:
"یہ ٹھیک ہے تم گلاب نہیں بن سکتے مگر کانٹا بھی مت بنو۔ ایک راز کی بات تمہیں بتاتا ہوں۔ جو شخص کانٹا نہیں بنتا بالآخر ایک دن گلاب بن جاتا ہے۔"
☆ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ "محبت" کیا ہے؟ جب انسان کے کانوں میں اذانوں کے الفاظ گونجیں اور وہ اپنے بستر سے اٹھ کر قبلہ رو کھڑا ہو جائے وہ "محبت" ہے۔
☆ اللہ جب کسی کو عزت دینے لگتا ہے تو اس کے مخالفین کی زبانیں دراز کر دیتا ہے۔
☆ اللہ کے بندوں کی خدمت کرو، یقین جانو، دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

(محمد شہزاد حیدر۔ سیالکوٹ)

درود شریف

شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟

ایک دفعہ آپ ﷺ نے شہد کی مکھی سے پوچھا کہ "شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے؟ اور تم یہ کہاں سے حاصل کرتی ہو؟" مکھی نے کہا "میں یہ مختلف پھولوں سے حاصل کرتی ہوں۔"
آپ ﷺ نے فرمایا کہ کئی پھول میٹھے ہوتے ہیں کئی کڑوے اور سب کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے جبکہ شہد میٹھا ہوتا ہے؟ مکھی نے کہا "میں پھولوں سے رس نکالنے سے چھتے تک جانے تک آپ ﷺ پر درود پڑھتی رہتی ہوں بس اسی درود کی برکت سے خدا شہد میں مٹھاس پیدا کر دیتا ہے۔" (سبحان اللہ)

(... خالد۔ مانڈا آباد)

اقوال زریں

☆ نظر اور نصیب کا کچھ ایسا اتفاق ہے کہ نظر کو اکثر وہی چیز پسند آتی ہے جو نصیب میں نہیں ہوتی اور......!
نصیب میں لکھی چیز اکثر نظر نہیں آتی......!
☆ چلنے والے دونوں پیروں میں کتنا فرق ہے۔ ایک آگے ایک پیچھے۔ نہ تو آگے والے کو غرور ہے اور نہ ہی پیچھے والے کی توہین کیونکہ انہیں پتہ ہے کہ پل بھر میں یہ دونوں بدلنے والے ہیں...... اس کو زندگی کہتے ہیں۔
☆ زندگی میں اگر کچھ کھونا پڑے تو یہ دہرا لینا چاہیے کہ:
جو کھویا ہے اس کا غم نہیں
لیکن جو پایا ہے وہ کسی سے کم نہیں
جو نہیں ہے وہ ایک خواب ہے
اور جو ہے وہ لاجواب ہے

(اوکی اخلاق بٹ۔ شیخوپورہ)

متفرق معلومات

☆ پاکستان ریلوے کا پہلا نام "نارتھ ویسٹرن ریلوے" تھا۔
☆ مچھر اور شہد کی مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔
☆ کتا واحد جانور ہے جس کی زبان پر پسینہ آتا ہے۔
☆ پوری دنیا میں اس وقت 3064 زبانیں بولی جاتی ہیں۔
☆ ترکی کا قومی نشان بھیڑیا ہے۔
☆ کاکروچ کے خون کا رنگ سفید ہوتا ہے۔
☆ نیل آرمسٹرانگ واحد مسافر ہے جس نے پوری زندگی میں ایک دفعہ سفر کیا۔
☆ واٹر للی پھول کو پانی کی ملکہ کہتے ہیں۔
☆ جنگلی انجیر کے درخت کی جڑیں سب سے گہری ہوتی ہیں۔

(چوہدری حسن احمد۔ تھمن آباد)

خیال میرا خوشبو سا

☆ اتنے غلط نصیب نہیں جتنے غلط ارادے ہیں۔
☆ اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ انسان کا کردار ہی کافی ہوتا ہے۔
☆ لوگ دولت جمع کرتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ کفن میں جیب نہیں ہوتی۔
☆ کامیابی مسلسل جدوجہد سے ملتی ہے۔
☆ کسی کے بُرا کہہ دینے سے نہ ہم بُرے ہو جاتے ہیں اور نہ وہ اچھے۔

(صدف عثمان۔ بہاول پور)

معلومات

☆ کتے کو جسم کی بجائے زبان پر پسینہ آتا ہے۔
☆ کتے کو کبھی ہیضہ نہیں ہوتا۔
☆ بندر مچھلیوں کے پاس نہیں جاتے کیونکہ وہ اسے آگ کا شعلہ سمجھتے ہیں۔
☆ ہاتھی اور گھوڑا کھڑے کھڑے سو جاتے ہیں۔
☆ مچھلی کی آنکھیں اس لیے کھلی رہتی ہیں کیونکہ اس کے پپوٹے نہیں ہوتے۔
☆ کیڑے کے دانت پیٹ میں ہوتے ہیں۔
☆ ڈولفن میں آواز سننے کی صلاحیت کتے سے گیارہ گنا اور انسان سے پانچ گنا زیادہ ہوتی ہے۔
☆ ڈولفن آواز سننے کے لیے اپنے جبڑے سے استعمال کرتی ہے۔
☆ برفانی چیتا اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اپنے وزن سے تین گنا زیادہ اٹھا سکتا ہے۔
☆ ایک چھوٹے پرندے کی نبض کی رفتار تقریباً 500 فی منٹ ہے۔
☆ ہمارے جسم میں تقریباً چھوٹی بڑی 206 ہڈیاں ہیں۔
☆ کیچوے میں پھیپھڑے نہیں ہوتے یہ جلد کے ذریعے سانس لیتا ہے۔

(اطہر احمد شیخ۔ لاہور)

حقیقت

☆ زبان اگرچہ تلوار نہیں پر تلوار سے زیادہ تیز ہے۔
☆ بات اگرچہ تیر نہیں مگر اس میں تیر سے زیادہ چبھن ہوتی ہے۔
☆ غصہ اگرچہ درندہ نہیں مگر درندے سے زیادہ خوفناک ہے۔
☆ نشہ اگرچہ سانپ نہیں مگر سانپ سے زیادہ خطرناک ہے۔
☆ گناہ اگرچہ زہر نہیں مگر زہر سے زیادہ مہلک ہے۔

(ثناء سر ساجد۔ صادق آباد)

محبت کیا ہے؟

☆ میں نے پوچھا پھولوں سے بہاروں سے آسمان سے زمین سے انسانوں سے ستاروں سے چاند سے سورج سے مٹی سے ہر چیز سے پوچھا لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ پھر تاریخ ہاتھ پکڑ کر بہت پیچھے لے گئی چودہ سو سال پیچھے ایک عظیم ہستی سجدے میں پڑی نم آنکھوں کے ساتھ صرف ایک دعا کیے جا رہی تھی۔ یا اللہ میری اُمت کو بخش دے میری اُمت کو بخش دے۔
اس ہستی نے اپنی اُمت کے لیے نہ کیا حساب ہے آنسوؤں کا آج وہ اُمت اُن پر درود بھی پڑھتی ہے تو گن گن کر۔

(سعدیہ عبدالعزیز۔ راولپنڈی)

شہری باتیں

☆ رشتے اور سودے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ رشتے قائم کیے جاتے ہیں جبکہ سودے طے کیے جاتے ہیں۔
☆ کوئی بھی رشتہ بدن پر پہنے ہوئے لباس کی مانند نہیں ہوتا کہ جسے اُتار کر پھینک دیا جائے اور دوسرا بدل لیا جائے۔
☆ کسی انسان میں خوبی دیکھو تو اسے بیان کرو لیکن اگر خامی نظر آئے تو یہاں آپ کی خوبی کا امتحان ہے۔
☆ اگر آنکھ خوبصورت ہے تو آپ کو دنیا اچھی لگے گی لیکن اگر زبان خوبصورت ہے تو آپ دنیا کو اچھے لگیں گے۔
☆ دنیا نصیب سے ملتی ہے جنت محنت سے۔

(عائشہ یعقوب۔ لاہور)

معلوماتِ عامہ

☆ جاپان میں سب سے زیادہ فلمیں بنتی ہیں۔
☆ سب سے زیادہ پٹرول فروخت کرنے والا ملک امریکہ ہے۔
☆ پرسکون صبح کی سرزمین کوریا کو کہا جاتا ہے۔
☆ سب سے بڑا کرکٹ اسٹیڈیم میلبورن کرکٹ گراؤنڈ (آسٹریلیا) ہے۔
☆ پاکستان کی پہلی خاتون ہوا باز شکریہ خانم ہیں۔
☆ پاکستان کا قومی مشروب گنے کا رس ہے۔

(رانا بلال احمد رکوٹلہ جام۔ بھکر)

ماضی کی یادیں

دولت کھو سکتی ہے۔ صحت بگڑ سکتی ہے یا بیماری لگ سکتی ہے، دوست ساتھ چھوڑ سکتے ہیں مگر ماضی کی یادیں تمام عمر ساتھ رہتی ہیں۔ اس لیے زندہ رہنے کی کوشش کریں۔ آپ کی حسین یادیں آپ کو افسردگی کی بجائے خوشی عطا کریں گی۔

(محمد بلال ہشام۔ لاہور)

وہ..... ہی کیا

☆ ..... وہ انسان ہی کیا جس میں سچا ایمان نہیں۔
☆ ..... وہ مسلمان ہی کیا جو پانچ وقت پر نماز نہیں۔
☆ ..... وہ دوست ہی کیا جس میں وفا نہیں۔
☆ ..... وہ آنکھ ہی کیا جس میں حیا نہیں۔
☆ ..... وہ عبادت ہی کیا جو ریاکاری سے پاک نہیں۔
☆ ..... وہ عدالت ہی کیا جس میں انصاف نہیں۔
☆ ..... وہ زبان ہی کیا جس میں اخلاق نہیں۔
☆ ..... وہ کام ہی کیا جس میں رزق حلال نہیں۔

(حریم عارف۔ لاہور)

ایک چھوٹی مگر اہم بات

لوگ ڈرتے ہیں:
آگ سے ..... کہ وہ جلا دے گی۔
پانی سے ..... کہ وہ ڈبو دے گا۔
طوفان سے ..... کہ وہ اڑا لے جائے گا۔
مٹی سے ..... کہ وہ دفنا دے گی
اللہ عزوجل سے کیوں نہیں ڈرتے جو ان سب پر قادر ہے۔

(سعدیہ رفیق۔ جگے والی گوجرانوالہ)

خواہشات اور ضروریات

ایک دانشور کا قول ہے کہ اپنی زندگی کو ضروریات تک محدود رکھو اور خواہشات سے پرہیز کرو کیونکہ ضروریات فقیر کی بھی پوری ہوتی ہیں اور خواہشات بادشاہ کی بھی ادھوری رہ جاتی ہیں۔

نیند، دل اور وقت

☆ بچپن میں نیند آتی ہے، وقت بھی ہوتا ہے، مگر سونے کو دل نہیں چاہتا۔
☆ جوانی میں نیند آتی ہے، سونے کو دل بھی چاہتا ہے مگر وقت نہیں ہوتا۔
☆ بڑھاپے میں سونے کو دل بھی چاہتا ہے، وقت بھی ہوتا ہے، مگر نیند نہیں آتی۔

(محمد شکیب۔ بہاولنگر)



خورشید عالم گوہر قلم

نیشنل کالج آف آرٹس میں ہر سال فرسٹ ایئر کے طلباء و طالبات کی فن خطاطی سے شناسائی کیلئے دو ہفتے کی ورکشاپ منعقد کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً اس برس سے جاری ہے اور اس میں ہر سال طلباء و طالبات بے پناہ فنی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس ورکشاپ کی بدولت طلباء و طالبات میں اسلامی فنون سے آگاہی کا ایک جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اس سال بھی طلباء و طالبات فرسٹ ایئر نے جناب صادقین مرحوم کے فن سے آگاہی کے لئے فقیر خورشید عالم گوہر قلم کی ہی کلاس







طلباء و طالبات نے بے پناہ مہارت کا مظاہرہ کیا

این سی اے میں صادقین کی خطاطی کی مشق

میں ہی حسب معمول بہترین پرفارمنس کا مظاہرہ کیا۔ اس کلاس کی سرپرستی ہمیشہ محسن اقبال کرتے آئے ہیں۔
یہ خوش قسمتی ہے کہ محسن صاحب نے اس سلسلے کو شروع کیا اور پھر اس کلاس کے اثرات کی بدولت بے شمار طلباء و طالبات نے خطاطی کے فن کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑا اور پھر یہ بلند مقام تک جا پہنچے۔
صادقین بلاشبہ ہمارے ملک کا عظیم سرمایہ ہیں۔ انہوں نے اپنی مختصر زندگی میں خطاطی کی نہ صرف جدت عطا کی بلکہ اسے مقبول عام بنا کر لوگوں کے گھروں کی زینت بنا دیا۔ صادقین نے آیات و اشعار کے حوالے سے رنگ آمیزی اور مصوری کے حسین ترین نمونے تخلیق کیے۔ سٹوڈنٹس کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ علی الصبح ہی پورے سامان کے ساتھ پہنچے رہے اور انہوں نے اس کلاس میں بھرپور دلچسپی لی۔ طلباء و طالبات پوری توجہ سے لیکچر سنتے رہے اور پھر انہوں نے اپنے کینوس، کاغذ، وصلیاں، آرٹس شیٹ، فنی شاہکاروں سے سجا دیئے اور ان میں ایسی انفرادیت پیدا کی کہ اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے روح صادقین بھی اس کلاس میں شریک ہے۔ رنگ و نور کے ان مظاہروں میں قرآنی آیات دکھنے لگیں اور فن پارے بہترین اور دور حال کا منظر پیش کرنے لگے۔
ان فن پاروں کی خوبصورتی کا یہ عالم ہے کہ چھٹیوں کے بعد این سی اے کی آرٹ گیلری میں طلباء و طالبات کے فن پاروں کی نمائش متوقع ہے جس کا افتتاح جناب ڈاکٹر مرتضیٰ جعفری کریں گے اور ان طلباء و طالبات کے فن پارے یقیناً داد وصول کریں گے۔
ہمارے نوجوان پاکستان کی سرزمین کا آرٹ سیکھنا چاہتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری نوجوان نسل اپنے وطن پاکستان کی سرزمین اس کی روایات اور اس کے دیگر شعبوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ صادقین مرحوم کا یہ بہت بڑا ایثار ہے کہ وہ یورپ چھوڑ کر صرف وطن عزیز پاکستان کو آرٹ کی سرزمین بنانے کیلئے پاکستان چلے آئے اور ایسے افراد بھی آرٹ کے اداروں میں موجود ہیں جو اس آزاد قوم کو پھر انڈیا اور یورپ کا غلام بنانے کیلئے ان کے فنون اور روایات کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ یقیناً ایک خوفناک انداز فکر ہے جو ان شہداء کی بھی بے حرمتی کر رہا ہے کہ جنہوں نے سرزمین پاکستان کیلئے جانوں کی بازی لگائی ہے۔ افسوس ہے کہ ذمہ دار ادارے اس سمت بالکل خاموش ہیں اور اس سازش کا سدباب کرنے کیلئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھا رہے۔ یہاں ایسے بھی آرٹس کے ادارے جو آرٹس کی تعلیم کے نام پر محض نوجوان نسل کو تباہ و برباد کر کے علامہ اقبال اور قائداعظمؒ کے افکار کی عملی نفی کرنے میں مصروف ہیں اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں جس طرح بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ این سی اے کے طلباء و طالبات نے کیا اگر اسی طرح اعلیٰ تربیت اور اخلاقی معیار کو مدنظر رکھا جائے تو نوجوان نسل بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی ہے اور آرٹس میں بھی زندگی کی لہر دوڑ سکتی ہے۔



بچے پینٹنگز کے ساتھ اپنی پاسپورٹ سائز تصویر بھی بھجوا سکتے ہیں
لائنوں والے صفحے پر تصویر مت بنا کر بھیجیں
A4 سائز سے بڑی تصویر نہ بھیجا کریں

حمیدہ فاطمہ قادری۔ گوجرانوالہ



فاطمہ ذکاء۔ گوجرانوالہ



اسد اللہ ناصر۔ بہاولپور



عرفان ریاض۔ وزیر آباد



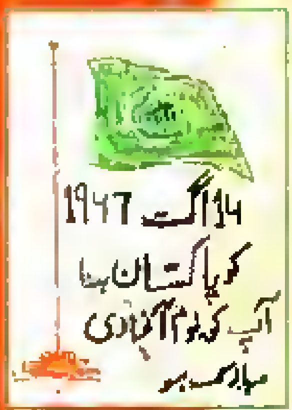


محمد حمزہ۔ لاہور

خدیجہ ۔۔۔ فتح پور، اوکاڑہ



مہیب، روہیب، عدیل اصغر۔ چیچہ وطنی



حمیدہ عبدالعزیز۔ ننکانہ صاحب





اس کی بے قراری اب ختم ہو رہی تھی

”اور ہوش آ گیا“

انعم روز

”پاکستان اللہ کی رحمت سے قائم ہے۔ اس کی بنیادوں میں لاکھوں شہیدوں کا لہو شامل ہے۔ جوانوں کے گرم لہو، بچوں کی قربانیوں، بیٹیوں کی تار تار عصمتوں اور ضعیفوں کی آہوں کا ثمر ہے۔ آیئے عہد کریں کہ اسے سنوارنے، نکھارنے اور پروان چڑھانے کی خاطر اپنا جان، مال سب قربان کر دیں گے۔ پاکستان زندہ باد۔“

”واہ۔۔۔ واہ کیا تقریر کی ہے“۔۔۔۔۔ اس سال بھی اسے کوئی نہیں ہرا سکے گا۔ پاکستان خدا کی نعمت ہے اس کی قدر کرو۔“ سر نے لیکچر ختم کر چکے تھے، وہ مطالعہ پاکستان پڑھاتے تھے۔ انہیں پاکستان سے عشق تھا، خالی پیریڈ ہوتا تو آزادی کی کہانیاں سناتے۔ انہی کا اثر تھا کہ ہم پاکستان کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عمر آیان اپنے کالج کا بہترین مقرر بھی سر احسن کی وجہ سے تھا۔ آج انہیں اپنی کیفیت بتانا چاہتا تھا کیونکہ وہ بہترین استاد ہونے کے ساتھ اچھے دوست بھی تھے۔ طلباء سے مبارک باد دیتے تمہارا انعام پکا ہے“۔ میں ہال میں ہم جماعتوں کی سرگوشیاں سن رہا تھا اور واقعی چند ساعتوں بعد عمر آیان یعنی میرا نام سٹیج پر گونج رہا تھا۔ میں حسب معمول چہرے پر مسکان سجائے اپنا انعام وصول کر رہا تھا۔

”تم میرا فخر ہو عمر!“

یہ آواز سر احسن کی تھی۔ میں نے مسکرا کر سر احسن کا شکریہ ادا کیا۔ مجھے خوشی تو تھی لیکن عجب بے چینی بھی تھی۔ میں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ گھر آ کر بھی بے کلی ختم نہیں ہوئی تھی۔ آج کی ٹرافی الماری میں سجاتے ہوئے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یہ سب کیا تھا۔

”آج پاکستان کو ہماری ضرورت ہے۔ ہمارا جوش، ولولہ، عزم اس کی تعمیر نو کے لئے کافی ہے۔ اگر نظام خراب ہے تو کی وجہ سے کالج میں پکارے جاتے۔

”سر مجھے بتائیں میں کیا کروں؟ یہ بے چینی کیوں ہے آخر کس چیز کی علامت ہے یہ؟“

”کیا تم نے کبھی اپنے کہے پر عمل بھی کیا ہے؟“۔

”نہیں سر“ میں نے سچ بولا۔

”دیکھو! جب ہم دوسروں کو تو بڑھ چڑھ کر نیکی کے کاموں میں حصہ لینے کا کہتے ہیں مگر خود کسی سائل کو پانی تک نہیں پلاتے تو ہماری کسی نصیحت کا دوسرے پر عمل نہیں ہوتا“ سر احسن نے کہا۔

”ہر سال آزادی کے موقع پر تقاریب منعقد کرتے ہیں، زور و شور سے تقاریر کرتے ہیں، خود کو سچا محب وطن ظاہر کرتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے، نظام کو برا بھلا کہتے ہیں پر ٹھیک نہیں کرتے۔ تم بھی اس لئے بے چین ہو کہ اپنے کہے پر پشیمان ہو۔“

”تم اور تمہارے جیسے طالب علم ابھی اپنی تعلیم کے ذریعے بھی اس وطن عزیز کو سنوار سکتے ہیں، جو ہو سو ہو طلبا بھی سے خود کو بدلنے کا عہد کرو، بچی لگن سے ایمانداری کا دامن تھام کر راہ راست پر چلنے کی کوشش کرو۔ خود کو پاکستانی ہونے کا اہل ثابت کرو۔“

میری بے چینی کا حل سامنے تھا، اب میرے سامنے میری منزل واضح تھی، اب عمل کرنے کا وقت تھا۔ میرا ارادہ مضبوط تھا، میرے ساتھی میرے رہنما میرے استاد تھے۔ بے کلی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ میں نے عملی قدم اٹھا دیا تھا۔

کیا آپ بھی ایسا کریں گے؟

☆☆☆

اریبہ شاہ

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے......

”میں پاکستان کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں پر کیا؟“ ایسی سوچ ہزاروں نوجوانوں کی ہے۔ جو جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہیں اور اس ملک عزیز کو سنوارنا چاہتے ہیں اور حالات سے مایوس نہیں ہوتے آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں جیسے:

1۔ اگر آپ طالب علم ہیں تو امتحان میں نقل کرنا بند کر دیں۔ اپنی محنت سے کامیابی حاصل کریں۔ آپ کے اس عمل سے ملک میں ایک ایماندار انسان کا اضافہ ہو گا اور آئندہ آپ کسی عہدے پر پہنچ کر رشوت جیسی لعنت سے محفوظ رہیں گے۔

2۔ اگر راہ چلتے آپ کوئی جوس کا ڈبہ خریدیں یا ٹافی، چپس جیسی کوئی چیز کھا رہے ہوں تو اس کا خالی ریپر سڑک پر پھینکنے کی بجائے کوڑے دان میں ڈالیں یا اپنی جیب میں یا کسی بیگ میں رکھ لیں۔ اس طرح آپ گندگی پھیلانے والوں میں شامل نہیں ہوں گے۔

3۔ اگر کہیں کسی گروہ کو دیکھیں جو نئی نسل کے ننھے ذہنوں کو پاکستان کی خامیاں بتا کر متنفر کر رہا ہے تو آپ پاکستان کا روشن پہلو دکھائیں۔



4۔ کسی سیاسی جماعت یا حکمران سے اپنا روشن مستقبل کی امید وابستہ کرنے کی بجائے خود پر یقین کریں۔

5۔ اگر رشوت، سفارش عام ہے تو غور کیجئے کہیں نہ کہیں آپ بھی قصوروار تو نہیں۔

6۔ اپنے محلے یا رشتے داروں میں چھوٹے بچوں کو وقتاً فوقتاً تشکیل پاکستان کے بارے میں بتاتے رہیں۔ ان کے ذہن میں حب الوطنی کا بیج ڈالیں۔

7۔ ہمسایہ ملک کی فلموں، ڈراموں، گانوں سے مرعوب ہونے کی بجائے اپنا ذہن تخلیقی، تعمیری کاموں میں لگائیں۔ محض تقریریں کرنے کی بجائے آپ عمل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ بارش کا پہلا قطرہ تو بنا جا ہی سکتا ہے۔ جب بنیاد ہی سچائی، صفائی، ایمانداری پر رکھی جائے گی تو مضبوط و خوشحال ریاست بننے میں کوئی شک نہیں۔ پہلے خود کو بدل لیں کے تو ہی اس وطن عزیز کو بدل سکیں گے۔ خالی روڈوں، نعروں، ہوں سے کچھ نہیں ہونے والا۔ ہم اپنے حصے کا دیا تو جلا سکتے ہیں۔ تو آئیے ہم سب اپنا اپنا احتساب کر کے تعمیر نو کرنے والوں میں شامل ہو جائیے۔

معلومات پاکستان

- پاکستان ”14 اگست 1947ء“ بمطابق 27 رمضان المبارک کو معرض وجود میں آیا۔
- پاکستان آنے والے مہاجرین کی تعداد ”ایک کروڑ پچیس لاکھ“ تھی۔
- پاکستان کا قومی نعرہ ”جناب اصغر سودائی“ نے تخلیق کیا۔
- پاکستان کا قومی ترانہ ”جناب حفیظ جالندھری“ نے مرتب کیا۔
- پاکستان کی پہلی کابینہ ”7“ ارکان پر مشتمل تھی۔
- پاکستان کو آج تک ”اسرائیل“ نے تسلیم نہیں کیا اور نہ ہی پاکستان نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔
- پاکستان کو سنوارنے کی ذمہ داری نوجوانوں پر عائد ہوتی ہے۔

عمرہ زہرہ، سیالکوٹ

خود پڑھیے دوسروں کو تحفہ دیجیے

پھول کتاب گھر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو کاپیاں آنا ضروری ہے

مدثر مرزا

نام کتاب: UN LAW ON TERRORISM

مصنف: احمد بلال صوفی

قیمت: 1200/ روپے۔ ناشر: بک ہوم، بک سٹریٹ، 46 مزنگ روڈ لاہور۔ فون: 37231518



احمد بلال صوفی اعلیٰ پائے کے وکیل اور بین الاقوامی قوانین کے ماہر ہیں۔ وہ 2013ء کی نگران حکومت میں وفاقی وزیر قانون، پارلیمانی امور و انسانی حقوق بھی رہ چکے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے اقوام متحدہ کے چارٹر کے باب ہفتم کے تحت ضروری قراردادوں کو ترتیب دیا ہے۔ قراردادیں پاکستان اور دیگر ممالک پر اپنا اثر رکھتی ہیں۔ مختصراً یہ کتاب اقوام متحدہ کی دہشت گردی کے متعلق قوانین پر مشتمل ہے۔ کتاب کا انتساب آرمی پبلک سکول پشاور کے شہید بچوں، مسلح افواج کے بہادر سپاہیوں اور پولیس کے فرض شناس اہلکاروں کے نام کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی قانون کے طلبا، اساتذہ کرام، وکلا، صحافیوں، قانون نافذ کرنے والے اداروں اور محققین کے لئے یہ مفید کتاب ہے۔

☆☆☆

نام کتاب: قطعہ نہرِ بد

شاعر: اقبال راہی

قیمت: 300/ روپے۔ ناشر: گلشن ادب پبلی کیشنز، 49 کشمیر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ فون: 0322-4534350

اقبال راہی معروف شاعر ہیں۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں انہیں خاص مہارت حاصل ہے۔ وہ چھبیس سال سے مختلف اخبارات و رسائل میں قطعات لکھ رہے ہیں۔ حالات حاضرہ پر ان کے قطعات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اس سے قبل ان کے قطعات کا مجموعہ 2011ء میں شائع ہوا جسے پسند کیا گیا۔ معاشرتی مسائل، سیاسی اتار چڑھاؤ، عوامی مشکلات،



حکمرانوں کی بے حسی، سیاستدانوں کے جھوٹے وعدے و دعوے اور حالات پر چبھتے ہوئے قطعات اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان کے قطعات میں حب الوطنی کا درس بھی ملتا ہے۔

کاموں میں اپنا نہ وقت صرف کرو
جو کام ہے تم وہ کرو وطن کے لئے
اسی لئے ہے جہاں میں وقار اپنا
جیو وطن کے لئے اور مرو وطن کے لئے

☆☆☆

نام کتاب: جادو کا جنگل

مصنف: نذیر انبالوی

قیمت: 30/ روپے۔ ناشر: ذیشان پبلی کیشنز، بک کارنر، پلاٹ نمبر 45 پیپلز کالونی فیصل آباد۔ فون: 041-2640013

نذیر انبالوی بچوں کے معروف لکھاری ہیں۔ "پھول" بچوں کے رسائل میں ان کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے قبل ان کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ کئی اداروں کی طرف سے ایوارڈز بھی مل چکے ہیں۔ "جادو کا جنگل" بچوں کے لئے ایک دلچسپ ناول ہے۔ جو ایک لکڑہارے کی محنت، جدوجہد اور اس کی سوتیلی ماں کے ظلم و ستم پر مشتمل ہے۔ اس میں تجسس بھی ہے۔ خوفناک واقعات بھی، خونخوار درندوں کی دہشت بھی، جنات کے مظالم بھی۔ ناول شروع کر کے آپ پورا پڑھ کر ہی دم لیں گے۔



☆☆☆

نام کتاب: آدھا خواب

مصنف: شبہ طراز

قیمت: 200 روپے۔ ناشر: دستاویز۔ بلاک نمبر 7 آفس نمبر 6، سیکنڈ فلور، میاں چیمبر 3 ٹمپل روڈ لاہور۔ فون: 36280034

شبہ طراز کو ادبی ذوق ورثے میں ملا۔ ان کے والد مقتدر مہدی مرحوم اور والدہ طاہرہ اصغر میدانِ ادب میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ طاہرہ اصغر صاحبہ "پھول" کے لئے بھی لکھتی ہیں۔ شبہ طراز نے اپنا جداگانہ مقام بنایا ہے۔ ہائیکو، شاعری، افسانہ، انشائیہ، ادبی رسالے کی ادارت ان کی ذات میں ایک تنوع ہے۔ "آدھا خواب" ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ افسانے روایت شکن بھی ہیں اور روایت ساز بھی۔ بقول ڈاکٹر انور سدید "وہ پوری عمر کی کہانی چند سطروں میں سمیٹ کر زندگی حقیقت کا نچوڑ کمال فن سے پیش کر دیتی ہیں۔ وہ زمانے کی آگہی کے لئے حقیقتوں کو عطس معاشرے میں نئی مزاج فنکار کی طرح افسانوں کی صورت میں بکھیر رہی ہیں۔"



☆☆☆

نام کتاب: ذیابیطس

(ذیابیطس کے مریضوں کے لئے بہتر خوراک)

مصنف: سیدہ شاہانہ

قیمت: 250 روپے۔ ناشر: سیدہ تحقہ سکالی پبلی کیشنز۔ باکستہ علم و عرفان پبلشرز، الحمد مارکیٹ 40 اردو بازار لاہور۔ فون: 37223584

ذیابیطس شوگر کا مرض ہمارے ہاں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس مرض کو میٹھا زہر بھی کہتے ہیں۔ یہ مرض انسان کو اندر ہی اندر دیمک کی طرح کھوکھلا کر دیتا۔ شوگر کے مریضوں کو کھانے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ درست خوراک کا انتخاب کر کے اس مرض کے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں شوگر کے مریضوں کے لئے ایسے کھانوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے جن سے غذائی طاقت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ ان کھانوں میں سوپ، سلاد، ون ڈش، بڑے کھانے، میٹھی بنیادی تراکیب وغیرہ شامل ہیں۔ اس کتاب میں 40 سے زائد کھانوں کی تراکیب شامل ہیں۔ یہ کتاب شوگر کے مریضوں کے لئے ہی نہیں ان افراد کے لئے بھی مفید ہے جو شوگر جیسے موذی مرض سے بچنا چاہتے ہیں۔



کیا آپ ایسا درخت دیکھنا چاہتے ہیں؟

عجیب درخت

شازیہ ستار نایاب

اللہ کے نام پر بیٹا بوڑھے فقیر کی کچھ امداد کرو۔ عمران گھر کے باہر گرین بیلٹ کو پانی لگا رہا تھا تو اسے ایک فقیر کی صدا سنائی دی۔ عمران نے مڑ کر دیکھا ایک بوڑھا فقیر اس سے خیرات کا مستحق تھا۔ عمران نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند روپے نکال کر فقیر کو دے دیے۔ "اللہ تمہیں خوش آباد رکھے" بوڑھے فقیر نے دعا دی اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر چند بیج عمران کو دیے۔ "لگتا ہے بیٹا تمہیں باغبانی کا شوق ہے۔ یہ بیج بھی یہاں بو دو بڑے خوبصورت پودے نکلیں گے۔"

عمران نے بیج لے لئے اور پھر اس فقیر کا دل رکھنے کے لئے وہیں گرین بیلٹ پر بو دیے۔ کئی دن گزر گئے عمران بیجوں سے کوئی کونپل نہ پھوٹی ایسے ہی بے کار بیج تھے عمران نے سوچا۔

لیکن ایک دن عجیب بات ہوئی وہ صبح سویرے سو کر اٹھا اور اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو اس گیٹ کے پاس ایک بڑا سا درخت نظر آیا۔ یہ درخت کہاں سے آ گیا؟ وہ حیران ہوتا ہوا گیٹ سے باہر نکلا جس جگہ اس نے بیج بوئے تھے وہاں ایک بہت بڑا درخت لگ چکا تھا۔ اس کی شاخیں آسمان کو چھو رہی تھیں۔

عمران کا جی چاہا کہ فوراً اپنے امی بابا کو بلا لائے اور انہیں یہ درخت دکھائے مگر پھر اس نے سوچا کہ درخت پر چڑھ کر دیکھنا چاہیے کہ یہ درخت کتنا اونچا ہے اور وہاں سے نیچے دیکھنا کیسا لگتا ہے۔ بس یہ خیال ذہن میں آتے ہی اس نے درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ، دوسری سے تیسری اور اوپر سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ اب وہ زمین کی طرف دیکھتا تو اسے بڑے بڑے مکان گھروندے لگتے۔ سڑک پر پھرتے لوگ گڈے گڑیاں لگتے۔ زمین کی ساری چیزیں اسے ویسے ہی لگ رہی تھیں جیسے ہوائی جہاز میں سفر کرنے والوں کو اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے لگتی ہیں۔ وہ ان مناظر سے بہت لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ اور اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ جب درخت ختم ہوا تو وہ ایک نئی جگہ پہنچ چکا تھا اور یہ جگہ اس کی زمین سے بہت مختلف تھی۔ یہاں پر جو پودے لگے تھے وہ سبز کی بجائے نیلے رنگ کے تھے۔ مٹی کا رنگ سرمئی تھا۔ عجیب و غریب درخت تھے۔ ان پر عجیب سے پھل لگے تھے کسی ذی روح کا نشان تک نہ تھا۔

جانے یہاں کی مخلوق کیسی ہوگی اگر اس نے مجھے کوئی نقصان پہنچایا تو..... عمران نے اپنے ارد گرد حیرت سے دیکھتے ہوئے سوچا اور خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے اور اسی درخت کے ذریعے واپس اپنی دنیا میں لوٹ جائے۔ مگر پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور ایک ٹیلے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک بیضوی شکل کی جہاز جیسی چیز اسے نظر آئی وہ جہاز کی طرح ہی ہوا میں معلق تھی۔ اس میں سے تیز نیلی روشنی نکل رہی تھی۔ پھر وہ ٹیلے سے تھوڑی دور آ کر رک گئی اس میں سے چار افراد نمودار ہوئے انہوں نے بھورے رنگ کے لمبے لمبے لباس زیب تن کیے ہوئے تھے اور سروں پر ہیلمٹ۔ ان کی نیلی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان کے بے ہنگم سے قد تھے اور آپس میں نامعلوم زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ عمران انہیں حیران ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اچانک ان میں سے ایک شخص نے منہ اوپر اٹھایا اور سونگھنے کی کوشش کرنے لگا پھر وہ ٹیلے کی جانب آیا اور اس نے عمران کو ٹیلے کے پیچھے سے نکال لیا بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا۔ اس کی گرفت خاصی مضبوط تھی اس نے عمران سے اپنی زبان میں کچھ پوچھا لیکن جب عمران نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے اپنے ساتھی کو کچھ کہا تھوڑی دیر بعد اس کا ساتھی ہاتھ میں موبائل کی طرز کا ایک آلہ لے آیا جو اس نے عمران کے کان سے لگا دیا اب وہ بولا تو عمران کو ایسا لگا جیسے وہ اردو بول رہا ہو وہ پوچھ رہا تھا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟۔

میں زمین سے آیا ہوں اور تمہیں دوستی کا پیغام دیتا ہوں، عمران نے اس آلے میں اردو میں کہا مگر اس کی آواز اس اجنبی سیارہ کی زبان میں تبدیل ہو کر فضا میں پھیل گئی۔

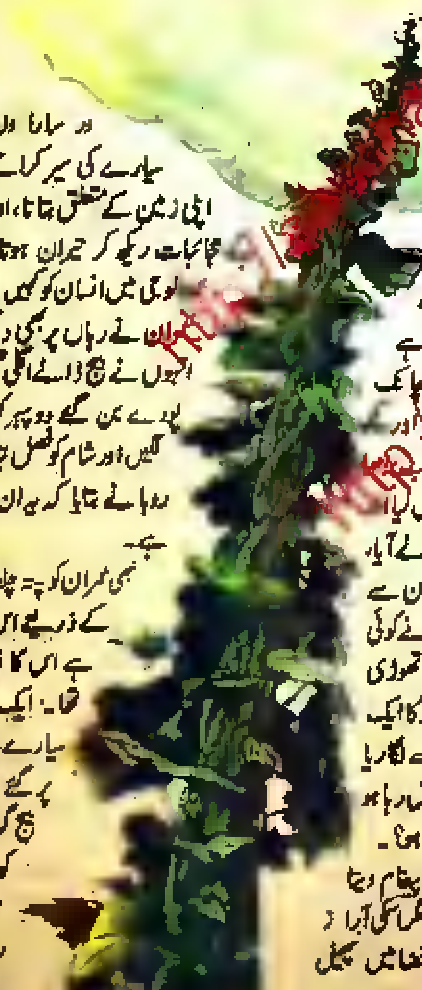
اس آدمی نے عمران کی بات سنی اور پھر اپنے اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا "ہمیں تمہاری دوستی قبول ہے۔ کچھ دن ہمارے پاس رہو۔ ہماری دنیا کی سیر کرو ہم بھی ابھی تمہاری دنیا کا چکر لگا کر واپس آئے ہیں۔ وہ اپنی بیضوی شکل کی اڑن طشتری کی طرف اشارہ کرکے بولا۔

ہم سائنسدان ہیں آجکل تمہارے سیارے کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔ تم کچھ دن یہاں رہو ہمیں اپنی دنیا کے متعلق بتاؤ اور ہماری دنیا کے متعلق معلومات حاصل کرو۔ ان چاروں میں سے ایک نے کہا۔

عمران نے خوشی سے ان کی دعوت قبول کر لی۔ وہ آپس میں اس آلے کی مدد سے بات چیت کر لیتے۔ سیارے کے سب لوگ عمران کو دیکھ کر حیران ہوتے اور زمین کے متعلق طرح طرح کے سوال پوچھتے۔ جلد ہی عمران کی دوستی ان سے ہوگئی اور وہ تقریباً ان کے اہم ممبر بن گئے۔

وہ سارا دن عمران کو اپنے سیارے کی سیر کراتے اور عمران انہیں اپنی زمین کے متعلق بتاتا، اور ان کے سیارے کے عجائبات دیکھ کر حیران ہوتا۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں انسان کو کہیں پیچھے چھوڑ گئے تھے عمران نے وہاں پر یہ بھی دیکھا کہ ایک رات انہوں نے بیج ڈالے اگلی صبح وہ بڑے بڑے پودے بن گئے دوپہر کو ان میں پھلیاں لگیں اور شام کو فصل تیار ہو گئی۔ جینی اور روحا نے بتایا کہ یہ ان کی ایک اہم فصل ہے۔

تبھی عمران کو پتہ چلا کہ وہ جس درخت کے ذریعے اس سیارے تک پہنچا ہے اس کا بیج اسی سیارے کا تھا۔ ایک روز جب اس سیارے کے کچھ افراد زمین پر گئے تھے تو ان سے وہ بیج گر گئے تھے۔ وہ فقیر کو ملے اور فقیر نے عمران کو دے دیے۔ زمین میں



لگنے کی وجہ سے کچھ ایسا ردعمل ہوا کہ وہ غیر معمولی بڑا درخت بن گیا۔ دوسری طرف حیرت انگیز بات یہ بھی کہ زمین سے جو پودے لاکر لگائے گئے تھے وہ قد و قامت میں بہت چھوٹے ہو گئے تھے مثلاً کھجور کا درخت زمین پر بہت بلند ہوتا ہے مگر وہاں ایک چھوٹے پودے کی صورت میں تھا۔ اس پر جو کھجوریں لگی ہوئی تھیں ان کا ذائقہ بھی زمینی کھجوروں سے بالکل مختلف تھا۔ شروع میں تو عمران کو ان کی خوراک بدمزہ لگی مگر آہستہ آہستہ اسے عادت ہوگئی۔ اب وہ مزے سے ان کی خوراک کھاتا۔ اپنے کپڑے میلے ہوجانے پر ان جیسے کپڑے پہننے لگا تھا، حالانکہ روہا نے کہا بھی تھا کہ ہم نے ایسی مشین ایجاد کرلی ہے جس کی بدولت کپڑوں کو اتار کر دھونے کی ضرورت نہیں رہتی۔ انہیں مشین سے میرے کرو اور کپڑے صاف۔ مگر عمران نے یہ کہہ کر ان جیسے کپڑے پہن لئے کہ جیسا دیس ویسا بھیس۔ اب تو اس نے ان کی زبان بھی سیکھنی شروع کردی تھی۔

ایک رات جب وہ بستر پر لیٹا تو اسے اپنا گھر اپنے ماما پاپا اور چھوٹی بہن عالیہ بہت یاد آنے لگے اور اس نے اگلی صبح اپنی دنیا میں واپس جانے کا ارادہ کرلیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

اچانک اس کے کان میں روہا کی آواز پڑی اس نے اپنے قریب پڑا ہوا آلہ اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ اب اسے روہا کی بات سمجھ آنے لگی۔ روہا کہہ رہا تھا کہ اس دوستی کا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا ہے ہم مر کر بھی اسے نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہم ایک تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور تم ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روک سکتے۔" "آپ اس کی......" ممنی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کا فقرہ کاٹ کر ایک اور شخص بولا۔ "تم دونوں زیادہ جذباتی نہ ہو اس تجربے کے لئے ہمارا ایک فرد ہسکی بھی تو قربانی دے رہا ہے نا۔ اگر تجربہ ناکام ہوا تو صرف عمران ہی نہیں بلکہ ہسکی بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

"ہسکی کی بات الگ ہے وہ اپنے سیارے کی خاطر اس تجربے کا حصہ بن رہا ہے۔ یہ تجربہ ناکام ہو یا کامیاب اس کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے گا۔ مگر عمران ہمارا مہمان ہے اسے لاعلمی میں اپنے تجربے کی بھینٹ چڑھا دینا ناانصافی ہے۔" روہا نے کہا۔

"تم خاموش رہو ہمارے کام میں مداخلت نہ کرو۔ اس تجربے سے انقلاب برپا ہو جائے گا۔" روسا نے کہا۔

"ہم عمران کو آپ کے تجربے کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیں گے۔ ہم نے اسے دوست بنایا ہے اور دوستی کا تقاضا ہے کہ دوست کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا جائے۔" ممنی نے کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔" ایک اور آواز سنائی دی، پھر مکمل خاموشی چھا گئی شاید وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔

عمران یہ تو نہ جان سکا کہ اصل میں بات کیا ہے مگر اتنا ضرور جان گیا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اب اس کی آنکھوں سے نیند رخصت ہو چکی تھی اور وہ وہاں سے فرار کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ رات کے آخری پہر روہا اور ممنی اس کے پاس آگئے۔

"تم لوگ یہاں اس وقت۔" عمران نے پوچھا۔

"ہاں ہم بڑی مشکل سے آئے ہیں ہمارے سیارے کے سائنسدان تم پر ایک تجربہ کرنا چاہتے ہیں مگر ہم تمہیں اس تجربے کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیں گے۔" ممنی نے کہا۔

"کیا تجربہ" عمران نے پوچھا۔

"دراصل ہمارے سائنسدان چاہتے ہیں کہ تمہارا سر کاٹ کر یہاں کے ایک فرد پر اور اس کا سر تمہارے دھڑ پر لگا دیا جائے اس طرح ہم ایک نئی مخلوق بنا لیں گے۔ مگر تم فکر نہ کرو ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔" روہا نے کہا۔

"مگر تم لوگ مجھے کیوں بچانا چاہتے ہو؟" عمران نے کہا "اس لئے کہ ہم تمہارے دوست ہیں اور دوست ہمدرد اور خیر خواہ ہوتے ہیں۔ نہ خود دوست کو نقصان پہنچاتے ہیں اور نہ اجازت دوسروں کو دیتے ہیں، ہم جانتے ہیں تمہارے ماں باپ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ تم پریشان نہ ہونا ہم ہر حال میں تمہیں واپس تمہاری دنیا میں پہنچا دیں گے۔" روہا نے کہا۔

عمران نے تشکر بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا مگر وہ بہت خوفزدہ تھا "سنو جب صبح تمہیں لیبارٹری لے کر جانے لگیں گے تو ہم تمہیں چھڑا لے جائیں گے تیار رہنا"۔ روہا نے کہا۔

صبح کو ایک روبوٹ ان کے لئے ناشتہ لے کر آیا، مگر اس نے کچھ کھانے سے انکار کر دیا۔ خوف سے اس کی بھوک اڑ چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد سائنسدان روسا کیا اور وہ عمران کو ایک کمرے میں لے گیا اور اسے ایک کرسی پر بٹھانے لگا، عمران نے دیکھا کہ ایک بندر ایک میز پر بیٹھا ہے دوسری میز پر اسی سیارے کا ایک اور جانور تھا پھر چند دوسرے لوگوں نے مل کر بڑی احتیاط سے دونوں کے سر کاٹے اور پھر بندر کے دھڑ پر اس جانور کا اور اس جانور کے دھڑ پر بندر کا سر لگا دیا اس طرح وہ عجیب و غریب جانور بن گئے پھر انہیں جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔

اس کے بعد دوسری فلم شروع ہوئی اس میں بھی ایک بندر اور وہی جانور دو میزوں پر بے ہوش پڑے تھے مگر اس فلم میں ان کے سر دھڑ سے الگ کرنے کی بجائے ان لوگوں نے سروں کو کاٹ کر ان کے دماغ نکال لئے اور پھر ان کے دماغ بدل دیئے۔

عمران یہ دیکھ کر کانپ اٹھا۔ "آخر تم لوگ یہ سب کچھ مجھے کیوں دکھا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اب ہم ایسا ہی تجربہ تم پر کرنا چاہتے ہیں پہلے ہم نے سوچا تھا کہ تمہارا سر کاٹ کر ہسکی کے دھڑ پر اور ہسکی کا سر تمہارے دھڑ پر لگا دیا جائے مگر اب ہمارا خیال ہے کہ دوسرے نمبر والا تجربہ کرنا زیادہ بہتر ہوگا یعنی تم دونوں کے دماغ بدل دیئے جائیں، اس طرح جب تم زمین پر جاؤ گے تو تمہارے لوگوں کو تم میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئے گی۔ حالانکہ تبدیلی ہو چکی ہوگی۔ اس طرح ہم تم سے اپنی مرضی سے کام لے سکیں گے۔" روسا نے خوفناک انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"پھر ہمیں زمین کے متعلق جاننے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوگی۔ تمہارے ذریعے ہم چند اور زمین کے آدمی بھی حاصل کرلیں گے۔ پھر ان پر بھی ایسے ہی تجربے کریں گے، اور ایک دن ہم زمین پر قبضہ کرلیں گے۔"

"نہیں تم ایسا نہیں کرسکتے۔ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" عمران نے کہا۔

"زمین کے بے پناہ وسائل ہمیں اپنی طرف کھینچتے ہیں، ہمارا سیارہ ان سب نعمتوں اور وسائل سے محروم ہے۔" روسا نے کہا۔

"خدا کے لئے ایسا نہ کرو مجھے واپس جانے دو۔" عمران نے کہا۔

"خاموش رہو۔" روسا نے غصے سے کہا اور پھر اسے ہسکی سے ملوایا گیا جو رضاکارانہ طور پر اس تجربے کے لئے تیار تھا۔ جب عمران کو تجربہ گاہ کی جانب لے جایا جا رہا تھا تو اچانک ایک طرف سے روہا اور ممنی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ نمودار ہوئے اور روسا اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے بچاؤ کی کوشش کی مگر ان کا حملہ بھرپور تھا کہ وہ کچھ نہ کرسکے۔ روہا اور ممنی عمران کو لے کر فرار ہوگئے۔

وہ عمران کو لے کر اسی درخت کے پاس آئے جس کے ذریعے عمران ان کے سیارے تک پہنچا تھا اور اسے نیچے اترنے کا اشارہ کیا، عمران نے ان کا شکریہ ادا کیا اور تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ ابھی وہ آدھے راستے میں تھا کہ روسا اور اس کے ساتھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے ایک مشین کے ذریعے درخت کو ہلانا شروع کر دیا، عمران کو نیچے اترنے میں دقت ہونے لگی مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ جب وہ زمین سے چند فٹ کے فاصلے پر تھا تو درخت زور زور سے ہلنے لگا۔ جیسے تیز آندھی میں گر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی عمران بھی گر گیا، عمران نے زوردار چیخ ماری اور عمران کی آنکھ کھل گئی، صبح ہو چکی تھی اور وہ بستر سے نیچے گرا ہوا تھا۔ اف میرے خدا..... تو کیا یہ سب ایک خواب تھا، عمران نے مسکراتے ہوئے سوچا اور باہر آ کر کیاری کو دیکھنے لگا جہاں اس نے بیج بویا تھا ایک ننھا سا پودا زمین میں سے سر نکال رہا تھا۔ عمران کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔



احمد ندیم قاسمی کی یاد میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ و افطار ڈنر

مرکز علم و فن کے چیئرمین ایم آر شاہد کی جانب سے احمد ندیم قاسمی کی یاد میں سالانہ نعتیہ مشاعرہ و افطار ڈنر کا اہتمام الحمرا ہال نمبر III اقبال روڈ، لاہور میں کیا گیا۔ جس کی صدارت جناب عطاء الحق قاسمی نے کی اور مہمان خصوصی جناب ... منہاس اور نامور گلوکار شوکت علی تھے۔

تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا، جس کی سعادت حافظ ... قادری نے حاصل کی۔ نظامت کے فرائض اقبال راہی نے ... جن شعرائے کرام اور شاعرات نے نعتیہ کلام پیش کیا ان میں ... بخاری، زاہد حیدر زیدی، سیدہ فاطمہ غزل، منظور حسین ... حکیم سلیم اختر ملک، نیاز حسین لکھویرا، صوبیہ جمال، نظام ... اپنا سون، شہباز حسین دانش، عمران شوکت علی، محسن شوکت علی، شائستہ انیس احسن، ماجد محمود MPA، ولاور چوہدری، طاہر حسین، ڈاکٹر کنول فیروز، آفتاب جاوید، شوکت علی، عبدالمجید منہاس شامل ہیں۔

تقریب کے آخر میں صاحب صدارت جناب عطاء الحق قاسمی نے نعتیہ کلام پیش کیا اور ایم آر شاہد کے تحقیقی کام اور جناب احمد ندیم قاسمی سے ان کی والہانہ محبت کا اظہار کیا۔ سب سے آخر میں ایم آر شاہد نے آنے والے تمام معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ تقریب کے اختتام پر جناب مفتی عبدالغنی قاسمی نے مرحومین شاعروں اور ادیبوں کے لئے دعائے مغفرت کروائی۔

پانی کی اہمیت کے حوالے سے ہمدرد نونہال اسمبلی کا اجلاس

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام نونہال مقررین ... موضوع دیا گیا ... زندگی ہے اپنی زندگی کی حفاظت کیجئے' اجلاس میں ڈی جی ... محترم مظہر سجاد عرفانی سمیت مختلف شعبہ ہائے زندگی کی اہم ... موجود تھیں۔ جبکہ بلی درست سکول کے طلبا نے پانی کی اہمیت ... سے خاکہ پیش کیا جسے خوب سراہا گیا۔ ڈی جی واپڈا محترم ... عرفانی نے کہا کہ پانی نعمت ہے لہٰذا اس کا استعمال قدرتے ... اس سلسلے میں شعور آگہی اور معاشی، معاشرتی و حکومتی سطح پر ... ذمہ داریاں ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ نونہال مقررہ ملائیکہ ... نے اپنے خطاب میں کہا کہ پانی عطیہ خداوندی کی ایک انمول نعمت ہے۔

نونہال مقررہ نویرا ... نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم ... کی لیکج کو نا ... کر دیکھیں تو رب العزت کا ... جو ہم کالا باغ ڈیم کہتے ہیں۔





ڈپٹی ایڈیٹر نوائے وقت سعید آسی کے چھوٹے بھائی رفیق زیدی انتقال کر گئے۔

پاکپتن کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک

ڈپٹی ایڈیٹر نوائے وقت سعید آسی کے چھوٹے بھائی ... زیدی انتقال کر گئے آبائی ... میں سپرد خاک کر دیا گیا ... ایڈیٹر نوائے وقت سعید آسی کے چھوٹے بھائی ... ایڈیٹر شہباز سعید آسی کے چچا، چیف آفیسر ... ایم اے ... احمد گیلانی کے بڑے بھائی ... ٹاؤن آفیسر ... پوسٹ آفس ساہیوال محمد رفیق زیدی قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ مرحوم کی نماز جنازہ ... میں ادا کی گئی جس میں مذہبی شخصیات، سیاسی، سماجی اور کاروباری شخصیات صحافیوں ... اور شہریوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ مرحوم کو نماز جنازہ کے بعد ان کے آبائی قبرستان ... میں والد کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ڈپٹی ایڈیٹر نوائے وقت سعید آسی کے چھوٹے بھائی محمد رفیق زیدی کی وفات پر صوبائی وزیر اوقاف میاں عطاء محمد خان مانیکا، وزیر زراعت ڈاکٹر فرخ جاوید، ایم این اے سردار منصف علی ڈوگر، ایم این اے سید اصغر حسین گیلانی، سابق ایم این اے میاں احمد رضا مانیکا، دربار بابا فرید کے ولی عہد سجادہ نشین دیوان احمد مسعود چشتی فاروقی، دیوان عظمت سید محمد چشتی، رانا منظور احمد، ... شہباز ایڈووکیٹ، صدر مرکزی انجمن تاجران حاجی محمد ... ممتاز سماجی رہنما محمد مسعود خالد، مسلم لیگ ن کے ... محمد جمیل فریدی، ممتاز سماجی شخصیت حاجی عبدالواحد، صدر پاکپتن پریس کلب چوہدری عبدالرحیم ... شیخ منیر احمد، جنرل سیکرٹری ملک محمد علی، ... حسین، سمیع اللہ ضیاء الحق خان، ... خان بلوچ، ملک طارق ... محمد اشرف ... سلطان ... ایڈووکیٹ نے گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی۔



ادارہ "وفاق" کی جانب سے ڈاکٹر [illegible] ... [illegible]



[illegible]



ڈاکٹر عارفہ صبح خان [illegible] اور تقریب کے دیگر شرکاء

غریب اور مستحق بچوں کی ہر ممکن امداد کرنی چاہیے: ڈاکٹر عارفہ صبح خان

غریب، مستحق اور یتیم بچوں کی ہر ممکن امداد کرنی چاہیے اور ان کی امداد کے لیے دل و دماغ کی کھڑکیاں ہی نہیں، جیبوں کے تالے بھی کھول لینے چاہئیں۔ ان خیالات کا اظہار ڈاکٹر عارفہ صبح خان نے پاکستان آرٹس کونسل فورم کے زیر اہتمام منعقد تقریب میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ والدین سے بڑا کوئی سائبان نہیں ہوتا مگر جو بچے اس نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں ہمیں ان کی محرومی کا احساس کرنا چاہیے۔ تقریب سے سید احسان اللہ وقاص، میاں عمران مسعود، سمیعہ راحیل قاضی، عطاء الرحمٰن، ڈاکٹر عسکری بخاری، سعدیہ کنول خان اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔

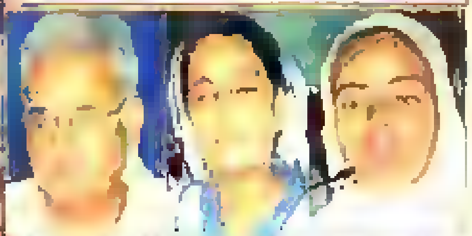
محمدی آئی ہسپتال کے چیئرمین محمد شفیق جنجوعہ کی بیٹی اور داماد کا حادثے میں انتقال

محمدی میڈیکل ٹرسٹ (محمدی آئی ہسپتال) کے چیئرمین و سماجی رہنما محمد شفیق جنجوعہ کی بیٹی ڈاکٹر فرزانہ اور داماد منصور احمد کار حادثے میں مکہ معظمہ میں انتقال کر گئے۔ دونوں اپنے دو بچوں کے ہمراہ شب قدر کو احرام کی حالت میں عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ معظمہ جا رہے تھے کہ ان کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا۔ ڈاکٹر فرزانہ موقع پر دم توڑ گئیں جبکہ منصور احمد 23 جولائی کی صبح زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مرحومین ہمت ٹرسٹ اور محمدی میڈیکل ٹرسٹ کے ڈائریکٹرز نوید احمد، مریم احمد اور فراز جنجوعہ کی ہمشیرہ اور بہنوئی تھے۔

قارئین سے تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت، فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔



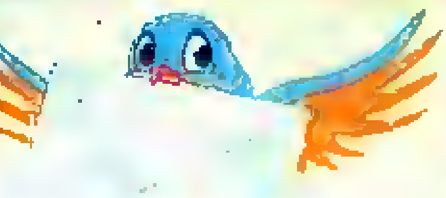
"پھول" کے معروف لکھاری نذیر انبالوی اپنی حال ہی میں شائع ہونے والی 13 کتابوں کا سیٹ ایڈیٹر "پھول" محمد شعیب مرزا کو پیش کر رہے ہیں۔ محمد شعیب مرزا نے ان کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کتب کی اشاعت پر انہیں مبارکباد پیش کی اور کتب دینے پر شکریہ ادا کیا۔



[illegible]



[illegible]



کھٹے میٹھے خطوط

السلام علیکم

انعامی خط نمبر 1

پھول جولائی کا شمارہ ماں نمبر اتنا اچھا تھا اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے ویسے بھی ماں کے لئے لکھنا اس پر الفاظ تو کم پڑ سکتے ہیں مگر جذبات پھر بھی رہ جائے گی۔ ماں نمبر بہت پسند آیا۔ اس میں عظیم ماؤں کے بارے جان کر بہت اچھا لگا اور جس جس نے بھی ماں کے بارے لکھا ان سب کے جذبات کی ماں سے پیار کے اظہار کی دل و جان سے قدر کرتے ہیں اور واقعی ماں کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ماں جیسی شفیق ہستی کے ہوتے ہوئے دنیا جنت ہے اور وہ شخص کبھی خطا نہیں کھائے گا جس کے پیچھے ماں کی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت موسیٰ سے فرمایا: ''اے موسیٰ اب سنبھل کر آنا اب تمہارے لیے دعا کرنے والی ماں نہیں ہے۔''

پھول کا شمارہ ہاتھوں میں ہے اسے پڑھتے ہوئے دل میں رقت طاری ہو جاتی ہے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اپنے سامنے امی جان کو کتنی ہی دیر تکتی ہی رہی، بچھا جاتا ہوں اور دل میں رقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا جاتا ہوں کہ اے اللہ تیرا احسان عظیم ہے کہ ماں جیسی عظیم ہستی کا سایہ ہم پر موجود ہے۔ ماں تو ٹھنڈی چھاؤں ہے۔ یا اللہ ہماری ماں کو اور ہر ماں کو لمبی زندگی عطا فرما اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھ۔ (آمین) ماؤں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ہر کہانی اپنی مثال آپ تھی یوں تو سبھی تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں لیکن ڈاکٹر محمد ارشد کی تحریر میری امی جی، ساجد حنیف کی ماں قطرہ ان جیسا ماں، رانا محمد شاہد کی میری ماں پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس کے علاوہ کیف الورٰی رانا کی ماں، خدا کا روپ سیدہ نرجس فاطمہ کی ایک بچی کی ڈائری، شاہد اقبال کی ایک قربانی اور بدولت محترمہ فاطمہ جناح پر تحریر فرزانہ روحی اسلم کی خاصہ کیا گئی ہے اور محمد طاہر عمیر کی ایک اور ماں کی کہانی زبردست تحریریں تھیں۔ اس بار تو پھول تمام شماروں پر سبقت لے گیا اور دل و جان سے پڑھا ہے اس کے لئے بھائی شعیب مرزا اور تمام سٹاف کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ (تمام لکھاری بھی مبارک باد کے مستحق ہیں)

(عبدالجبار رومی انصاری، لاہور)

انعامی خط نمبر 2

اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ میری تحریریں ہمیشہ غم سے معمور ہوتی ہیں مگر میں کیا کر سکتی ہوں میرا قلم خود بخود ہی اس طرح چلتا ہے۔ بھلا جب آنکھ ہی جب کھولی جائے جب چاروں طرف خاک میں ملی معصوم لوگوں کے لہو کی خوشبو پکار رہی ہو کہ ہمیں کس جرم کی سزا سنائی گئی؟ جہاں ننھی ننھی بیٹیاں سسک رہی ہوں جہاں بچوں کو تاکہ، جرائم کی سزا سنائی جا رہی ہو جہاں بوڑھوں کو ان کے سہاروں سے محروم کر دیا جائے اور جہاں ماؤں کو زندگی بھر انتظار کا عادی بنا دیا جائے۔ جہاں اہل کفار متحد ہو کر مسلم امہ کو اپنی اجارہ داری بے ہوں۔ جہاں بیٹیاں کسی محمد بن قاسم کے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سننے کے لئے بے تاب ہوں مگر وہاں کسی "عافیہ" کی آواز کسی "معتصم" کی آواز نہ بن سکے۔ جہاں دنیا کا سب سے عظیم مذہب اغیار کی سازشوں لٹ رہا ہو۔ جہاں مسلم امہ کو تنکا تنکا جا رہا ہو اور ہر کوئی منتظر بیٹھا ہو۔ جہاں زندان میں سسکتی زندگیاں کسی غزنوی کے قدموں کی چاپ سننے کیلئے بیتاب ہوں۔ خدارا جاگ جاؤ، دشمن سر پر کھڑا ہے جہاں ہر ہاتھ مخالفت کے لئے نہیں اٹھنے والا بے دردی سے کاٹ دیا جاتا ہیں۔ ہمارا دین سب سے اعلیٰ ہے ہمارے نبی ﷺ دنیا کی عظیم ہستی ہیں۔ مگر ہم غیروں میں اپنا سہارا تلاش کرتے ہیں۔ ہماری زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہم دوسروں کے نقش قدم پر چلنا پسند کرتے ہیں۔ یہ مسلمان کے لہو سے غداری ہی تو ہے۔ ہم غیروں سے آنسو صاف کروانے کے عادی ہو چکے ہیں اور یاد رکھو دوسروں سے آنسو صاف کروانے والے ہوتے ہیں جبکہ اپنے آنسو خود صاف کرنے والے اپنے آپ کو پہچان کر اپنی دنیا خود بنا لیتے ہیں۔

ہم جاگیں گے ہم ضرور جاگیں گے ابھی سے ایمان پر پکے والی ننھی نسل ضرور وطن عزیز کا نقشہ بدل ڈالے گی۔ ضرور آزاد دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرے گی۔ ہم نے اسلام کو فرقوں اور گروہوں میں بانٹ ڈالا ہے مگر وہ دن دور نہیں جب یہ تمام تعصبات ختم ہو جائیں گے اور ہم سرخرو ہوں گے۔ (انشاء اللہ)

(آپ کے بارے میں لوگ سچ کہتے ہیں۔ آپ کے جذبات قابل قدر ہیں لیکن پھول پر بھی تبصرہ کیا کریں)

(سیدہ نرجس فاطمہ، آزاد کشمیر)

انعامی خط نمبر 3

شمارہ تو 30 جون کو ہی مل گیا ماں نمبر ہونے کی وجہ سے دل کی کیفیت بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے پھول حقیقی پھول ہے اس کامیابی کے بعد "استاد نمبر" بھی ضرور شائع کریں کیونکہ تمام اساتذہ اس کے مستحق ہیں۔ سنز رے حسین کی کاوش ماشاء اللہ بہت اچھی تھی۔ ایڈیٹر بھیا تو ہے ہی کمال کے جناب نے کیا خوب قوم کے نونہالوں کی تربیت کا سامان کیا ہے۔ حافظ جس کی "بہترین خطاکار" کے بارے میں شیخ سعدی کا قول فرمان میں آ جاتا ہے کیا خوب ہے۔

درجوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے، بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار ہو جاتا ہے۔

ماں کی قدر ہمیشہ کرنی چاہیے اور خاص طور پر تب خدمت کرنی چاہیے جب ضرورت ہوتا کہ اسے کھو دینے کے بعد قلب مطمئن ہو اور پچھتانا نہ ہو۔

کیف الورٰی رانا میں تحقیق صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہے (کمال تو نہیں ہے؟) یقیناً ان کی کہانی کے پس منظر ماں کی دعاؤں کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ غرض یہ کہ بہت خوبصورت تحریر ہے اور شاید ان کی ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ منظوم کلام الحمد کیا گیا ہے لیکن پھر مطمئن ہو گی کہ آخر ماں ہیں ان کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔

کئی لکھاریوں نے پہلی دفعہ اپنی "امی" کے لئے لکھا ہے اور یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔

"میری اماں" میں تو گویا ماں کے تمام اوصاف بیان کر دیے گئے اور بہت ہی عمدہ طریقے سے یہ باور کروایا گیا کہ ایک بچے کی تربیت میں ماں کا کیا کردار ہوتا ہے۔ فقط یہی کہوں گی۔

"ایک مرد کے بدلنے سے ایک فرد بدلتا ہے ایک ماں بچے کے بدلنے سے پورا خاندان بدل جاتا ہے"۔ سیدہ نرجس فاطمہ کی تحریر نے کچھ اس انداز سے ایک بچی کا حال اسی کے لفظوں میں بیان کیا کہ چہرہ آنسوؤں میں بھیگ گیا اور تصور کچھ یوں ہوئی کہ

برسات لگے گی اشکوں کی
[illegible] کی گھڑیاں آئیں گی
اک بھرا دل روئے گا
جب [illegible] تمہاری آئے گی

ایک نظم جلن کی لکھی ہے جو کہ سرخی نظم ہے اور میری پہلی کاوش ہے ردی کی ٹوکری سے بچا لو گے یہ ضرور شائع کیجئے گا۔ (ردی کی ٹوکری میں؟) اللہ عزوجل ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

(نمرہ فاطمہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆..... سرورق پر ماں بچی کی تصویر بہت اچھی لگی اداریے کی تو بات ہی نہ کریں (کیوں نہ کریں؟) اتنا بہترین تھا کہ ایک بار پڑھ کر دل اداس ہو کے رہ گیا۔ "ماں نمبر" کی تو تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ پہلی بار پھول میں 45 نظمیں دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی جتنی عید پر ہوتی ہے۔ شکارے دیکھ کر منہ میں پانی ہی پانی آ گیا پھر بڑی مشکل سے پانی کو روکا کہ کہیں سیلاب ہی نہ آ جائے۔ (یہ جو سیلاب آئے ہیں آپ کی وجہ سے ہی آئے ہوں گے)۔

(عدیلہ ظفر۔ خوست عباس)

☆..... ہم نے نئے آپ کے رسالہ پھول کے ساتھی بنے ہیں اپنے بہن بھائی کی تصاویر بھی ارسال کر رہی ہوں (انعامات قرعہ اندازی کے ذریعے دیئے جاتے ہیں)۔ رسالہ پھول ماہانہ لگوا لیا

بھلا (ایک سطر چھوڑ کر تحریر لکھا کریں)
(سلیمہ فیصل ...... کھاریاں)

☆ ...... اس ماہ کا رسالہ زبردست تھا سرورق بہت ہی خوبصورت تھا۔ حمد و نعت کا سلسلہ بہترین تھا اداریہ ہمیشہ ہی بہت اچھا ہوتا ہے۔ محمد طاہر عمیر کی کہانی ''ایک اور ماں کی کہانی'' زبردست تھی۔ نظمیں بھی بہترین تھیں اور سارا ''ماں نمبر'' اپنی مثال آپ تھا۔ کہانی ''جنت میں واپسی'' ''مجھے ماں کہو'' ''ننھی کی امی'' اور ''میری اماں'' بہت اچھی لگیں۔ مسکرائیے پڑھ کر بہت مزا آیا اور کہکشاں بھی لاجواب تھیں۔ سارا رسالہ رنگا رنگ تراشوں اور سلسلوں سے بھرا ہوا تھا۔ اللہ ''پھول'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔
(آمین)
(عبیدہ احسان ...... سیالکوٹ)

☆ ...... ماں نمبر بہت ہی سپرہٹ تھا۔ تقریباً تمام کہانیاں دل موہ لینے والی تھیں۔ مجھے مطالعے کا بہت زیادہ شوق ہے۔ میں ہر ماہ کا پھول باقاعدگی سے پڑھتی ہوں پھول ایک معلوماتی رسالہ ہے۔ خدا کرے یہ اسی طرح ہمیشہ معلوماتی بن کر ہماری رہنمائی کرتا رہے آمین
(طوبیٰ جاوید انصاری ...... بہاولنگر)

☆ ...... ماں نمبر بہت پسند آیا اپنے ابو جان کی لکھی ہوئی نعت شریف دیکھ کر بہت خوشی ہوئی نعت شریف شائع کرنے کا شکریہ
(رقیہ حافظ ...... بھکی شریف)

☆ ...... امید ہے خیریت سے ہوں گے اور ''پھول'' کو حسین سے حسین تر بنانے میں مصروف ہوں گے۔ اداریہ شاندار تھا۔ عزیز بابالوی کی کہانی ''جنت میں واپسی'' نمبرون پر تھی مگر ہمارا دوست علی اکمل تصور کی کہانی ''مجھے ماں کہو'' گو ہے۔ (یہ تو نا انصافی ہوئی) فاطمہ جناح، عبید کلاتی کے لئے دل سے دعا نکلی کہانیاں تمام زبردست تھیں۔ سرورق پہ ماں ''کرنیں'' میں ماں اداریہ میں ماں کہانیوں میں ماں مضامین میں ماں نظموں میں ماں ''انسائیکلو پیڈیا'' میں ماں ''کہکشاں'' میں ماں ''کتاب گھر'' میں ماں ''زبردست جملے'' ''کنگ ہیں بچے'' راستہ تلاش کریں، ''فرق بتائیے'' میں بھی ماں غرض پورا ''ماں نمبر'' شاندار تھا۔
(محمد اسد اللہ شاہ سراج ہاشمی ...... بہاولپور)

☆ ...... ماں نمبر نے تو دھوم مچا کر رکھ دی۔ تمام تحریریں زبردست تھیں تمام نظمیں شاندار تھیں۔
(عاقب جمیل، احمد جنید، حوریہ کرن، منشی خان، چاہ سیداں شاہ)

☆ ...... جولائی 2015ء کا ماں نمبر اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے خوبصورت ٹائٹل اور تحریروں کے ساتھ بہت دلچسپ رہا ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ ایک شمارہ ''امن'' نمبر ہو جائے کیونکہ ہمارے پیارے وطن پاکستان میں امن کی بھی بہت بڑی ضرورت ہے۔ (جی شائع کریں گے)
(محمد جنید جانی ...... اکبر پورہ پشاور)

☆ ...... شمارہ زبردست تھا تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں نظمیں بھی اچھی تھیں۔ پھول ایک اچھا میگزین ہے۔

(شائلہ انعام ...... [illegible])

☆ ...... جولائی کا ''ماہنامہ پھول'' بہت خوبصورت ہے ساری کی ساری کہانیاں سپرہٹ تھیں۔ خصوصاً ایک اور ماں کی کہانی، جنت میں واپسی، میری اماں، ماں ٹھنڈی چھاؤں، بہترین خط کار، ننھی کی امی، فاطمہ کیا کہتی ہے؟ مجھے ماں کہو، بہت زیادہ پسند آئیں نظمیں بھی اچھی تھیں۔ ''پھول'' اسی طرح ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے آمین۔
(سلمان یوسف سمیجہ ...... علی پور)

☆ ...... سب سے پہلے شعیب صاحب کو اور دیگر پھول کے عملے کو ماں نمبر لانے پر مبارکباد قبول ہو، ایک ایک لفظ پڑھا ماشاءاللہ بہت دلچسپ تھا بہت محنت کی گئی تھی۔ سرورق پہ عبید کلاتی اور محترمہ فاطمہ جناح کی تصویر چار چاند لگا رہی تھی۔ حمد اور نعت کے ذریعے بچوں کو اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کو پہچاننے اور جاننے اور احکام پر عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اداریہ آپ کی محنت اور حسن کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ بھائی طاہر عمیر، عزیز بابالوی، علی اکمل میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ ڈاکٹر محمد ارشد کا اپنی ماں کو خراج تحسین اچھا لگا۔ فاطمہ کیا کہتی ہے ایک اچھی کاوش تھی۔ اماں ٹھنڈی چھاؤں، ساجدہ حنیف میری دوست خوبصورت لکھتی ہیں اللہ آپ کو کبھی کمی نہ کرے۔ ننھی کی امی ڈاکٹر فضیلت بانو کی تحریر پیاری تھی۔ شبینہ، ارم ندیم، کیف الوری کی خراج تحسین پسند آئی، حافظ سعدیہ معظم ہے ان کی تحریر بہت ہی اچھی تھی۔ کے لئے ... کون ہے ... شکیلہ، یاسمین کنول، عبیدہ احسان، ام کلثوم، ... کے بھلا بیٹھے تھے۔
(...... ہیڈ راجکان منڈی بہاؤالدین)

☆ ...... میں ... مدینہ منورہ میں کام کرتا ہوں ... پاکستان آیا ہوں ... پھول بڑے شوق سے پڑھتا ہوں آپ کے لئے پانچ وقت کی نماز ... ہوں۔ (اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھا کریں ہمارے لئے دعا کیا کریں) اللہ تعالیٰ آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین ثم آمین
(حاجی محمد صادق ...... سعودی عرب)

☆ ...... عرض یہ کرنا تھی کہ میں ہر ماہ کوپن بھجواتا ہوں سوالوں کے جواب بھی درست ہوتے ہیں اور سوالوں کے نمبر بھی لیکن مجھے انعام سے محروم رکھا جاتا ہے آخر کیوں؟ (انعامات قرعہ اندازی کے ذریعے بھیجے جاتے ہیں)
(ہشام گلیل)

☆ ...... پھول کی محفل کی بزم میں شرکت کر رہا ہوں جس پر دل بہت خوش و مسرور ہے۔ (ہماری حالت مت پوچھیں) ماہ جولائی کا پھول ماں ٹائٹل بہت اچھا لگا ماں اور بچی کا پیار دل میں گھر کر گیا۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول مقبول ﷺ اور ماں کا احترام بہت خوب تھیں۔ واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ ماں کا احترام بہت ضروری ہے ماں کے بغیر اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بھائی کا اداریہ بھی بہت خوب تھا۔ ''جنت میں واپسی'' بھی بہت اچھی تھی (ابھی تو انہوں نے جانا ہے جنت میں) مجھے ماں کہو پڑھ کر دل میں عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی دوسری تحریریں بھی زبردست تھیں، ماں ٹھنڈی چھاؤں بہت اچھی تحریر تھی۔
(امبر تحریم یاسمین ...... دلیوالا بھکر)

☆ ...... ہم تو بچے تھے اب بھی ویسے ہیں آپ کیسے مزاج کیسے ہیں۔ (آپ کے آنے سے پہلے اچھے تھے اب مت پوچھیں کیسے ہیں) آپ کو بک لور ایوارڈ 2015ء پر مبارکباد ہو۔ میں 8th کلاس میں پڑھتی ہوں۔ میں تقریباً پانچویں کلاس سے پھول پڑھتی آ رہی ہوں۔ میں نے پہلے دو کہانیاں لکھی تھیں جو کہ خوش قسمتی سے دونوں ہی ردی کی ٹوکری کی نذر ہو گئیں (اب بھی بچی ہو گا) آپ نے صرف ردی کی ٹوکری کو خوش کرنے کے لئے نہ جانے کتنے معصوم بچوں کا دل دکھایا ہے (کہانیاں شائع کر کے تو لاکھوں بچوں کا دل دکھتا) تمام کہانیاں اور نظمیں بہت اچھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے تاکہ ہمیشہ پھول ہمیں پڑھنے کو ملتا رہے۔
(طیبہ صادق ...... بھکی شریف)

☆ ...... اس مرتبہ ''ماں نمبر'' بہت ہی زیادہ اچھا لگا یقین جانیے پڑھ کر مجھے تو بہت رونا آیا۔ اللہ تعالیٰ سب ماؤں کا سایہ قائم رکھے آمین۔ رسالہ پورا آب و تاب سے چمک رہا تھا اور ہاں آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ ہم دو تین بہنیں ایک ہی لفافہ میں تحریریں اپنی اپنی بھیج سکتی ہیں۔ (جی بھیج سکتی ہیں)
(اقرا، عبیدہ حمانی ...... فقیروالی)

☆ ...... بھیا! آپ نے مجھے B.A کرنے کا کہا تھا میرا B.A ہو گیا ہے۔ (اب ماسٹر بھی کر لیں) اور اب M.A Urdu کر رہی ہوں۔ کیا ہم ''سیرت النبی ﷺ'' پر مستقل سلسلہ شروع کریں اگر آپ کی اجازت ہو تو میں لکھا کروں۔
(لکھ ہی لیں ... دیکھ لیں گے)
(ساز کرن ...... ناغال)

☆ ...... جولائی 2015ء کا شمارہ انتہائی زبردست تھا۔ ''ماں نمبر'' دیکھ کر خوشی ہوئی۔ نظمیں پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ اگرچہ اس طرح ماں کا حق ادا نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی یہ دنیا بھر کی ماؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک بہترین کاوش تھی۔
(محمد عرفان شاہ ...... بورے والا)

☆ ...... سبحان اللہ سبحان اللہ ماشاءاللہ کیا بات ہے ''ماں نمبر'' کی۔ اس بار تو ''ماں نمبر'' نے چار چاند لگا دیئے ہر کہانی ایک سے بڑھ کر تھی۔ کچھ کہانیاں اور نظمیں پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ سب آپ کی محنت کا صلہ ہے۔ آپ اپنا آٹوگراف شائع کریں۔ میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں (ہم بھی آپ سے محبت کرتے ہیں)۔ بلکہ تمام قارئین کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شعیب مرزا صاحب کو لمبی عمر عطا فرمائے اور ہمیں اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)
(ماہا بلال احمد ...... کوئٹہ)

☆ ...... ''پھول'' 3 سال سے لگ رہا تھا (یعنی ملتا) پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ دل کو بھی سکون ملا۔ کیونکہ بہترین جملہ میں میرا نام آیا تھا آپ سے صرف یہ پوچھنا تھا کہ آپ انعام کس طرح بھیجتے ہیں؟

(ترجمان ساگر زردادکر)

(محمد عظیم ہنا جواد اکمل روانا سندری)

☆......پھول ایک خوبصورت رسالہ ہے اس بار رسالہ کچھ جلدی کر حاصل کیا ماں نمبر میں حمد نعت کرنیں پڑھنے کے بعد اداریے کی طرف بڑھے بہت ہی اچھا تھا۔ محمد طاہر عمیر کی کہانی بہت اچھی تھی۔ سلمیٰ جیلانی کی تحریر بھی اچھی تھی۔ تمام نظمیں بہت اچھی تھیں۔ خاص کر علامہ اقبال کی نظم نے تو رلا دیا۔ تحریر ابا جی شیخ عبدالحمید عابد، ملک اکمل نصور، عائشہ جمشید کی تحریریں بھی بہت اچھی تھیں۔ ساجدہ حنیف کی تحریر بہت اچھی تھی۔ تحفہ تحفہ۔ اب تو بھی ہمارے شوق والے سر آگئے اب تو ہمیں جانا ہوگا۔ (ہم تو سمجھے تھے کیا آپ کا ایک ہی سر ہے)

(ایمان زہیر سندھو جہانیاں منڈی)

☆......جولائی کا شمارہ اپنی آب و تاب پر تھا، سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ حمد و نعت نے جان ڈال دی اور اداریے کا تو کیا کہنے وہ تو ہمیشہ کی طرح عروج پر تھا۔ ماں کی عظمت کا موضوع دل کو چھو لینے والا اور انتہائی سبق آموز تھا۔ کس ایک کہانی کی کیا تعریف کروں سب ہی بے حد پسند آئیں۔ دراصل ماں ہے ہی ایک ایسی ہستی جس پر جتنا بھی لکھا جائے اسے جتنا بھی بیان کیا جائے لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

14 اگست کو میری والدہ کی سالگرہ ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ انہیں سالگرہ کی مبارکباد دیں۔

(آپ کی والدہ کو سالگرہ کی بہت مبارکباد۔ صحت و سلامتی کی دعائیں۔ 22 اگست کو میری سالگرہ ہے۔ اب آپ مجھے بھی مبارکباد دیں) اور پھول نے دعا کی تو پھر ملاقات ہوگی۔

(احمد سکندر، سرگودھا)

☆......میرا نام اسد اللہ عمر ہے اور یہ میرا پھول میں پہلا خط ہے اسے پڑھنے سے پہلے آپ کو اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ ☆ نماز کی ادائیگی میں دیر نہ ہو رہی ہو۔ ☆ آج کا کام مکمل ہو گیا ہو ☆ چیف ایڈیٹر نے جو کام کے مشورہ کر لے ہوں۔ (اچھا جی) این بی ایف (NBF) کی طرف سے محمد شعیب مرزا کیلئے "بک لورز ایوارڈ 2015ء" دیا گیا۔ ہم سب کی طرف سے ایڈیٹر بھیا کو مبارکباد ہاں۔

(محمد اسامہ عمر مریم فاطمہ شرقی فاطمہ بہاولپور)

☆......جولائی 2015ء کا پھول واقعی بہت شاندار تھا۔ تمام تحریریں بہت اچھی تھیں۔ خصوصاً نذیر انبالوی، علی اکمل تصور اور طاہر عمیر کی کہانیاں ہمیشہ کی طرح زبردست تھیں۔ ویسے طنز و مزاح نمبر کب تک شائع ہوگا؟ (جلد شائع کریں گے آپ اس کے لئے اپنی تصویر بھجوا دیں)۔

(مریم ساجد، کوئٹہ)

"پھول" اپنی آب و تاب کیساتھ چمک رہا ہے۔ "ماں نمبر" بہت اچھا تھا۔ ہر ماہ کی طرح اس دفعہ بھی رسالہ زبردست تھا۔ خاص طور پر لکھاریوں نے جو اپنی ماں کے بارے میں لکھا وہ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں "ایک اور ماں کی کہانی" "جنت میں واپسی" "خدا کا روپ" اور "میری اماں" بہت پسند آئیں۔ لکھاریوں نے جو اپنی ماؤں کے احوال لکھے ان کو پڑھ کر دل بھر آیا مگر جب "میری ماں"

(ماما محمد شاہد) پر حاضر آنسو کے بند ٹوٹ چکے تھے پھر رہا سہا آنسو "تمہیں آخر میں" ایک بیٹی کی ڈائری سے۔۔۔۔ ماں بہت یاد آتی ہے" پڑھ کر آنسو خود بخود آنکھوں میں آ گئے۔

(مریم اعجاز، لاہور)

☆......ماہ جولائی کا شمارہ آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی انتخاب بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں جو ماں کے نام تھیں بہت اچھا لگا۔ کہانیاں اور نظمیں پڑھ کر ماں کی یاد نے رلا دیا۔ آخر میں ایڈیٹر بھیا سے گزارش ہے کہ گلگت بلتستان کے بچوں کے لئے تاریخ میں کچھ رعایت کریں کیونکہ پھول تحریریں یہاں دیر سے پہنچتا ہے۔ (آپ بھجوا دیا کریں ہم شامل کر لیا کریں گے)

(دلاور حسین، گلگت بلتستان)

☆......جولائی 2015ء کا "ماں نمبر" چاہتوں، محبتوں، الفتوں سے گندھا ہوا تھا۔ قوم کی ماں کی پُرعزم و روشن آنکھوں والی تصویر نے تعمیر کی لازوال داستانیں جگا دیں جسے سامنے رکھ کر دل کو بیتے دن یاد آ گئے۔

فیتا انتخاب کمال کا تھا۔ حمد و نعت کی خوشبو سے دل و روح کو معطر کرنے کے بعد جامعات کی چھم چھم کرتی کرنوں نے رحمت خدا کی عظمت اور عظمت ماں سے روشناس کرایا۔ اداریہ میں خلوص سے بھرے الفاظ نے آنکھیں نم کر دیں۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ آخر ماں کی محبت میں ڈوبی کر دیتی تھیں۔ محمد طاہر عمیر کی "ایک اور ماں کی کہانی" نے دل کے جذبات کو جگا دیا۔ "جنت میں واپسی" میں ستارہ کی بے قراری دیکھی۔ "مجھے ماں کو" نے بھی ماں کی خدمت کا حق ادا کر ڈالا۔ "خدا کا روپ" نے بجانے کتنوں کی آنکھیں کھول دیں۔

تمام لکھاروں کو سلام جنہوں نے ماں کی محبت، عظمت دل کے جذبات میں بیان کی۔ "ماں کے نام" جن لکھاریوں نے اپنے جذبات کو شعروں کی لڑی میں پرویا ہے قابل تحسین ہیں۔

اقرار جمیل، نرجس فاطمہ، نوری، ساجد محمد شاہد، مریم، علی جیلانی، ساجدہ حنیف، فرزانہ و دیگر لکھاریوں نے مصور کن تحاریر لکھیں۔ آخر "ماں" کا سلسلہ دنیا بھر کی ماؤں کو خراج عقیدت کی کوشش کامیاب رہی۔ ماں مبارکباد کی مستحق ہے۔ روزنامہ خبریں سے معلوم ہوا کہ بھیا کو "بک لورز ایوارڈ 2015ء" ملا ہے۔ بہت بہت مبارک ہو۔ اگر بے دھیانی میں غلطی کی زحمت ہو تو دیں کیونکہ میری ماں جی بھی خوش ہوں گی۔ (ہمارے لئے دعا کریں والے بڑھ کر آئیں گے)

(نوید مرزا، مرید مرزا، مریم مرزا، محمد مرزا، سیالکوٹ)

☆......سب سے بہترین شمارہ "ماں نمبر" تھا۔ سب کو اپنی ماں سے پیار ہونا چاہیے۔ گر ہم اس نعمت سے محروم ہیں سب آپ اللہ سے پاکستان کی ترقی کی دعا کریں۔ (ہم بھی تو یہ کریں نا)

(محمد عدیل جعفر، فورٹ عباس)

☆......جولائی کا خاص "ماں نمبر" ہمارے سامنے ہے۔ سرورق بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل و دماغ کو معطر کیا اس کے بعد کرنیں میں ماں کی عظمت پڑھی جو کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کی گئی تھی۔ واقعی ماں کی ہستی تو ایک ایسی ہستی ہے جس کے بارے میں جتنا لکھا جائے اتنا ہی کم ہے۔

اداریہ بہت شاندار تھا۔ محمد طاہر عمیر، نذیر انبالوی، علی اکمل تصور ہر ماہ کی طرح پورے رسالے پر چھا گئے۔ ڈاکٹر فوزیہ چوہدری کی اپنی ماں کے بارے میں تحریر بہت اچھی تھی اس کے علاوہ ماں کے بارے میں تمام نظمیں بھی پُراثر تھیں۔

(صبا اعجاز مظہر، لاہور)

☆......جولائی کے شمارے کا دل کو موہ لینے والا سرورق ماں کی محبت سے بھرپور سرورق، دل و دماغ کو بہت خوبصورت لگا۔ رانا محمد شاہد بھائی کی اپنی والدہ کے لئے "نذرانہ عقیدت" کمال کی تحریر تھی۔ محمد رانا صاحب کہاں ہوں پہنچا ہوا کہ آپ اپنی والدہ کی زندگی میں ان پر چند الفاظ لکھ دیں اور ان کی خوشی آپ کے لئے دو چند ہو جاتی، دعا ہے اللہ آپ کی والدہ کی مغفرت فرمائے۔ (آمین)

(ادیبہ شیخ، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

☆......ماہنامہ پھول کا جولائی کا شمارہ ماں نمبر بہت ہی اچھا اور معیاری تھا اس میں ماں کے متعلق پڑھ کر دل میں ماں کی قدر اور بھی بڑھ گئی۔ اس میں ماں کی عزت، ماں کا احترام اور دنیا میں عظیم ماؤں کی عظمت کا پتہ چلا اور پیارے کریم نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات سے ماں کی عظمت کا جلوہ سامنے آیا۔ واقعی دنیا میں ان لوگوں نے ہی ترقی اور کامیابی حاصل کی جن لوگوں نے ماں کا احترام کیا۔ دنیا میں انسان کے لئے پہلا اور آخری تحفہ ماں ہے یہ ایک خالص پاکیزہ اور لالچ کے بغیر رشتہ ہے اس کے علاوہ اس سے بڑھ کر کوئی اور رشتہ نہیں ہے۔

(حیدر شہزاد خان میانی، بھیرہ)

☆......زندگی کے بھاگتے دوڑتے لمحوں میں جانے کب احساس ہوا کہ خدا نے مجھے الفاظ جیسی قیمتی دولت سے نوازا ہے۔ ورق اور قلم اٹھایا (اردو نگاری)۔ بس پھر کیا تھا (لوگ میرا پیچھا کرنے لگے) لطف کرنا تخلیق ہوتے گئے۔ (اور میرے پیچھے دیے) سوچا ماہنامہ پھول کیلئے کچھ لکھا جائے (کچھ سوچا ہے) اپنی دو کہانیاں ارسال کر رہا ہوں۔ (خوش آمدید) امید ہے کہ پذیرائی ملے گی۔ (دیکھتے ہیں)۔

(محسن علی، کیمبل پور)

☆......ماں نمبر کو شاندار نمبر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ پھول کی تاریخ کا ایسا شمارہ جس کی ہر سطر قابل مطالعہ۔ ہر کہانی قابل تحسین اور ہر نظم قابل تعریف تھی۔ سورج کی آگ برساتی شعاعیں ماں نمبر کے آگے اے سی کی ہوائیں بن گئیں۔ کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ اس بار پھول نے جہاں ہمارے ذوق کی تسکین کا کام کیا وہیں ہماری جیب کو بھی ہلکا کرنے کا خوب اہتمام کر ڈالا۔ اماں جان کی فرمائش پر 3 کرنز کو یہ شمارہ بطور تحفہ بھیجا پڑا۔ ان کے خیال میں کتاب کے اس "پھول" نے نہ جانے کتنے ہزار ماؤں کو اپنی ماؤں کا شکر ادا ہو رہا ہوگا۔

سلسلہ "چٹکلے" نے روزہ خراب کرنے کی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ عراقی ماں کی جیل خانے میں لی گئی تصویر اور نیلما تصوری کی نظم نے تو رلا دیا۔ ابھی تک آنکھیں نم ہیں۔ شبنم رشید صاحب نے انوکھے انداز میں ماں کے مسائل کو اجاگر کیا۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ اپنی ماؤں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا رہے اور اپنے والدین کے لئے صدقہ

جاری رکھیں۔ (آمین)۔

(حزہ فاطمہ، اعوان، شیخ، میانوالی)

"ماں نمبر" شائع کرنے پر بہت مبارکباد۔ پھول کی ٹیم خوش رہے اور شاد۔ قابل تعریف تھی ہر تحریر۔۔۔ سبق آموز، دلچسپ اور قصے پیارا تھا۔۔۔ جیب کترے کے عمل نے کیا حیران بہت۔۔۔ ماں کی محبت نے کیا جس کو مہربان بہت۔۔۔ ماں کی ناقدری پہ دل غم سے بہت چور ہوا۔۔۔ نام ہے وہ شخص ماں سے جو دور ہوا۔۔۔ "ماں بہت یاد آئی ہو" پڑھ کر آنکھیں ہو گئیں نم۔۔۔ کون سہہ پاتا ہے ماں کی جدائی کا غم۔۔۔ لاجواب تھیں سبھی نظمیں اس میں۔۔۔ کارٹونز خوب سے خوب تر نظر آئیں جس میں۔۔۔ رنگوں سے مزین نظر آئی کہانیاں۔۔۔ کیوں نہ ہوتی آخر موضوع تھا "ماں"۔۔۔ "ماں" کی دعاؤں سے ہر مشکل ٹل جاتا۔۔۔ ہر کام میں سکون ملتا۔۔۔ بچے ہی ماں کے دل کا سکون۔۔۔ جس سے ماں کا ہے قرار دل بے چین۔۔۔ تمناؤں کے ساتھ چاہیں گے اجازت۔۔۔ "پھول" پر ہمیشہ ہو اللہ کی رحمت۔۔۔ (آمین)۔

(سیدہ علی۔۔۔ لیہ)

پھول پا کر حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا، ابھی اس جھٹکے سے سنبھل نہ پائے تھے کہ ماں نمبر پڑھ کر خوشی کا ایک اور جھٹکا لگا۔ پے در پے لگنے والے ان جھٹکوں کو جھٹک کر جلدی سے اداریہ پڑھا۔ داؤد کا انداز تحریر ہے ماشاءاللہ لگتا ہے کسی لکھے ہوئے ادیب کی تخلیق ہے۔ آپ کے زیر ادارت پھول کی خوشبو میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور پھول دن بدن معیاری ہوتا جا رہا ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ تمام تحریریں بے حد معیاری اور سبق آموز تھیں۔

(غلام مصطفیٰ انصاری، چوک سرور شہید)

پھول بڑا اچھا لگا۔۔۔ کہانیاں نے جکڑ لیا۔ سورج پانچ کرنوں کی تمام تر رعنائیوں اور وسعتوں سمیت ہم سے دامن گیر ہوا۔ خوشی اور مسرت سے دل اچھلنے لگا اور اسی کی تقلید میں ہم گھر کی جانب اچھلتے کودتے روانہ ہوئے۔ ماں کی لازوال محبت قربت اور بہترین عنایت کے گُن گا تا ہوا حمد اور نعت کی سے مستفید ہونے کے بعد اداریہ میں ایڈیٹر بھیا سے رو برو ہوئے، بہترین واقعات اور نصیحتیں لئے حاضر دل و جان تھے۔ تمام لکھاریوں نے بہترین شخصیت پر منظر لکھا۔ سب نے ماں کے گن گائے۔ سو نو تخلیق لکھاری حضرات تو چھا گئے اس بار۔ ماں کی محبت و عقیدت میں لکھی گئی نظمیں اور شعر دل میں سرور بھر گئے۔

(سیما کبریٰ شاد، ساہیوال)

جولائی کا رسالہ میری متلاشی نظروں سے گزرا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر تمام اہم باتوں کو دامن میں سمو لیا۔ اس بار رسالہ میں ہر طرف مائیں ہی مائیں تھیں۔ سرورق کے بعد اشتہارات دیکھے۔ دارالسلام سکول کے اشتہارات میں 5 بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ سب محو کلام۔۔۔ کیا اس سکول میں بغیر آنکھ، ناک اور منہ والے بچے پڑھتے ہیں۔ باقاعدہ رسالہ شروع کیا تو حمد و نعت سے ایمان کو تازہ کیا لیکن کرنیں میں محمد ساجد صاحب نظر نہ آئے۔ کہانیاں اور نظمیں سب سبق آموز تھیں۔ محمد طاہر عیسیٰ کی کہانی ماں کی ممتا کے بارے میں تھی لیکن اسکا دوسرا پہلو دیکھا جائے تو جو بھی پڑھے گا اس کو موت سے محبت ہو جائے گی اور طاہر صاحب جسم

تحلیل بن جائیں گے۔ نذیر انبالوی نے جادو کا قلم استعمال کیا تھا۔ علی اکمل تصور کی کہانی میں روٹیاں دیکھ کر بھوک بڑھ گئی لیکن سلسلے کو سلامت رکھا، روٹیاں کر بھی۔ حبیب شاہین کا آٹوگراف سب سے اچھا لگا۔

(حسن علی اسد، پی پی مساوات سوہاوہ)

جولائی کا شمارہ حسب معمول رنگدار تھا۔ تمام سلسلے فٹ تھے۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ اب نام لینے شروع کیے تو ادھر قلم اٹھا تو ادھر آپ کا قینچی بھی اٹھ سکتا ہے لہٰذا احتیاط۔ آپس کی بات ہے میں نے سوچا کوئی اچھی سی حکایت چن کر بھیج دوں بڑی محنت سے آدھا گھنٹہ سوچ کر پہلی سیاہی اور تین صفحے خرچ کرنے کے بعد دیکھا تو کتاب پر لکھا تھا، مرتب نذیر انبالوی، یقین جانیے بڑا افسوس آیا۔ (کتاب اور نام کا حوالہ دے دیجئے) پھول کے بارے میں ہمارا تجربہ ہو چکا ہے کہ مختصر حوالہ سمجھتے ہیں کہ علاوہ کوئی تحریر شائع کروانا محمد کے لئے ستارہ توڑ لانے کے مترادف ہے۔

آپس کی بات ہے تصویر میں آپ بڑے سادے نظر آتے ہیں لیکن بابا خطوط کے جوابات پڑھیں تو سادوں کے بھی دادے نظر آتے ہیں یہ کیا راز ہے؟ (اسے راز ہی رہنے دیں) آخر میں پھول کی وساطت سے تمام حضرات سے عرض ہے کہ آجکل اخبارات کو ہر جگہ پھینک دیا جاتا ہے، بڑے بڑے شہروں میں گندگی کے ڈھیر گلیوں میں اخبارات ہوتے ہیں جن میں آیت قرآنی یا اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے مہربانی کرکے اس بات کو آگے پھیلائیں کیونکہ اچھی بات پھیلانا بھی صدقہ جاریہ ہے۔

(محمد عامر محمود، ساہی وال، سرگودھا)

رسالے کی تعریف تو سب کریں گے لیکن اس نمبر کو انگریزی نمبر کہتے ہیں تو ہمارا آنکھیں بھی جھک جاتی ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا اداریہ پڑھ کر آپ کا احساس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی خان کی انٹرویو "سبق" پڑھ کر خوشی ہوئی۔ میرے پاس 35 بچے پڑھتے تھے ان میں سے تین بچیاں یتیم تھیں۔ پھر بہن ہوئی تو اس کا نام "سعادیہ" رکھ دیا۔ ماشاءاللہ، حبیبہ والدہ کی ماں کا عالمی دن ایک رسم بن چکی ہے لیکن ماں تو ماں ہوتی ہے، جس کو نصیب میں ہو وہ اس کی خدمت کر لیتا ہے۔ فاطمہ جناح مادر ملت سارے پاکستان کی ماں تھیں خدمت تو انہوں نے لاکھوں کروڑوں کی۔ میری دلی دعا ہے جیسے میں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا اور میرے بیٹے نے ذکر کیا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ صحت سلامت اور خوش و خرم رکھے۔ (آمین) ایک قدرتی بات ہے کہ جب مجھے کوئی تکلیف آتی ہے تو میرے بچے فرشتے بن کر میرے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے بچوں کو اپنے ماں باپ کی خدمت کرنے کا جذبہ دے۔ (آمین)۔

(صاحبہ حنیف، لاہور)

☆۔۔۔ آپ کو جولائی کے شمارہ "ماں نمبر" کی بہت بہت مبارک ہو۔ بہت عمدہ، زبردست اور اچھا شمارہ تھا۔ سرورق آ گیا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ ہمیشہ کی طرح عمدہ اور اچھی تھی۔ سب کہانیاں بہت زبردست اور سبق آموز تھیں۔ ماں کے حوالے سے سب نظمیں، اقوال زریں اور کہانیاں دل پہ اثر کر گئیں۔ لطائف نے تو پورے شمارے کا مزہ ہی دوبالا کر دیا۔

(فضہ حیات، راما، مرحا، اسلام آباد)

☆۔۔۔ آپ لفظوں کی کاٹ چھانٹ عمدہ طریقے سے کر لیتے ہیں مجھے معلوم نہیں تھا (اب تو پتہ چل گیا ہوگا) آپ نے یہ سلسلہ بہت اچھا رکھا ہوا ہے کہ ہر ملک کے نام رسالہ انتساب کرتے ہیں۔ ماں نمبر بہت اچھا لگا۔ ماں ایک ایسی ہستی ہے اس کے بارے میں جتنا لکھا جائے کم ہے۔ ماں ایک محبت کا سمندر ہے جس میں پیار ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ میری امی ایک ایسی ہی ماں ہیں جس نے ابو کی وفات کے بعد ابو کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ نجانے کیوں یہ الفاظ لکھتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ہماری امی مشکل میں ہمارے لیے ڈھال ہیں۔ (اللہ انہیں سلامت رکھے)

(محمد حامد محمود کوکھر، بھکر، ملتان)

☆۔۔۔ پھول کا تازہ شمارہ ماں نمبر موصول ہوا۔ جزاک اللہ اور پھول جیسی کی محنتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہر گز مجھ کو دعوت مطالعہ دے رہی ہے۔ سارا ہفتہ سے مجھ سے کہانیاں سننے کی شوقین رہی ہے اب مجھے وقت نہیں ملتا۔ پھول سے اس کی فرمائش ہے کہ آڈیو پھول کی سہولت بھی ہونی چاہیے کہ جس کہانی پر کلک کریں وہ کمپیوٹر خود بخود آپ کو سنانے لگے۔ (کیا آپ ڈیلیوری کی سہولت مانگیں گی) ۔سب پھول ساتھیوں کے لئے نیک خواہشات اور آپ کو ایک اچھا طلب کی مبارکباد کے ساتھ اجازت۔ (اجازت ہے)۔

(حنا زرجس، لاہور)

☆۔۔۔ سات سال کی عمر سے پھول کی قاری ہوں۔ 2004ء سے لے کر اب تک کے پھول رسالے میرے پاس موجود ہیں پھول کے ادب کیلئے آپ کا کام قابل تحسین ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

میرا پھول پڑھنے کے بعد ہی مجھ میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا اور پھر میں نے پھول ہی کیلئے تحریر لکھ کر بھیجی جو شائع بھی ہو گئی جس کی وجہ سے میرا حوصلہ بڑھا اور میں نے مزید تحریریں بھی لکھیں اور پھول میں اپنی تحریروں کی اشاعت پر آپ کی بے حد مشکور ہوں۔ پھول نے میرا حوصلہ بڑھایا۔

(نور العین، کراچی)

☆۔۔۔ جب میں نے پھول مسلسل پڑھنا شروع کیا تو اس پھول کی مہک نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔ اس پیارے پھول نے پہلی بار پڑھتے ہی میرا دل جیت لیا اور بھائی آپ بھی بہت اچھے ہیں میرے تین بھائی ہیں لیکن اب آپ کو ملا کر چار ہو گئے آپ بھی بہت خوش نصیب ہیں جو میری جیسی پیاری بہن ملی ہے!!

(باں جی)

(الفت مرزا، شہداد پور)

☆۔۔۔ جب میں نے ماہنامہ پھول کا سرورق دیکھا مجھے اس تصویر میں اپنی ماں کی تصویر نظر آنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کے بعد پھول رسالے کا گرویدہ ہو گیا۔

(شکریہ کرید جی)

(عبدالحفیظ "گرویدہ"۔

پیرور)



اس کی دنیا بڑی عجیب و غریب تھی

بانو کی دنیا

جاوید اقبال

وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھا تھا عمر کوئی بارہ برس، کپڑے پرانے چیتھڑے، پاؤں میں ٹوٹے جوتے ہاتھ میں چھڑی تھی' دو تین سوکھے کی ماری بکریاں بے آب و گیاہ پتھریلی زمین پر منہ مار رہی تھیں۔ میں اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ "کیا نام ہے تمہارا۔" میں نے پوچھا۔

"بانو"۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"یہ بکریاں تمہاری ہیں"۔ میں نے پوچھا۔

"ہاں جی" اس نے پھر مختصر جواب دیا۔

"انہیں کسی اچھی چراگاہ میں کیوں نہیں لے جاتے یہاں تو یہ بھوک سے مر جائیں گی'۔ میں نے خشک زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ یہاں بہت خوش ہیں۔ یہاں کی نرم گھاس انہیں بہت پسند ہے۔ میں اس درخت کی چھاؤں میں بیٹھا رہتا ہوں اور یہ گھاس چرتی رہتی ہیں"۔ اس نے کہا۔

"درخت......؟ کہاں ہے درخت؟"۔ میں نے حیرت سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیونکہ دور دور تک کسی درخت کا نشان تک نہیں تھا۔

"یہ دیکھیں یہ" اس نے اپنے سر کے اوپر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے تو یہاں کوئی درخت نظر نہیں آ رہا"۔ میں نے حیرت سے کہا۔

"آپ تصور کریں گے تو آپ کو اس درخت کی چھاؤں محسوس ہوگی اور ہری ہری گھاس دل کو بھائے گی"۔ اس نے کہا تو میں حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"۔ میں نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

اس پہاڑی کے پیچھے' اس نے ایک چھوٹی سی پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ میرے گھر آئیں وہاں میری بہن ہے میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ مجھ سے چھوٹی ہے مگر کھانا بہت اچھا بناتی ہے"۔

میں شہر کے ہنگاموں سے تنگ آ کر چند روز کے لیے اپنے دوست گل خان کے گاؤں آیا ہوا تھا۔ یہ بے آب و گیاہ خشک سا پہاڑی علاقہ تھا مگر شہر کے شور سے دور خاموش اور پُرسکون جگہ تھی۔

تیسرے دن بانو مجھے ایک بدبودار گندے جوہڑ کے کنارے بیٹھا نظر آیا پانی کی سڑی ہوئی بدبو سے وہاں ٹھہرنا مشکل تھا مگر بانو بڑے مزے سے وہاں بیٹھا تھا۔ پاس ہی اس کی بکریاں چر رہی تھیں۔

"یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"۔ میں نے ہاتھ ناک پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے یہاں بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ یہاں بہت پیاری پیاری مچھلیاں ہیں"۔ وہ بولا۔

میں نے غور سے دیکھا۔ گندے پانی میں بالشت بھر لمبی سیاہی مائل بدصورت مچھلیاں تیر رہی تھیں۔

"بانو مجھے اپنا گھر کب دکھاؤ گے؟"۔ میں نے پوچھا۔

"ابھی چلیں"۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا، اس نے اپنی بکریوں کو ہانکا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ٹوٹے پھوٹے کھنڈر نما گھر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ گھر کے ایک کمرے کی چھت گر چکی تھی۔ دوسرے کمرے کی دیواروں میں بھی دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ "یہ ہے میرا گھر۔ زلزلے سے ذرا ٹوٹ گیا ہے"۔ اس نے کہا۔

گھر میں ایک ہی چارپائی تھی جو اس نے میرے لیے بچھا دی۔ "تمہاری بہن کہاں ہے؟"۔ میں نے خالی گھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اپنی سہیلی کے گھر گئی ہے۔ اس سے وہ سلائی سیکھتی ہے۔ اگر وہ یہاں ہوتی تو آپ کو اس کے ہاتھ کا پکا مزیدار کھانا کھلاتا"۔ پھر بولا۔ "یہ پھول دیکھیں کتنے پیارے ہیں"۔

میں نے دیکھا۔ پھول وہاں کوئی نہیں تھا البتہ چند خودرو جھاڑیاں ضرور اگی ہوئی تھیں۔

کتنی اچھی خوشبو ہے۔ اس نے کہا۔

"بہت اچھی ہے" میں نے کہا اب میں نے اس کی باتوں پر حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے مجھے دودھ کا گلاس دیا۔ میں نے دودھ پی لیا۔ چند باتیں کیں اور اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل پڑا۔

واپس جاتے ہوئے میں بانو کے بارے سوچ رہا تھا۔ اس کے پاس ٹوٹے گھر، چند بکریوں اور ایک چھوٹی بہن کے سوا کچھ نہیں تھا مگر اس نے اپنی محروم اور ویران زندگی کو خوشگوار تصورات سے خوشیوں میں بدل لیا تھا اور ایک میں تھا جو سب کچھ ہونے کے باوجود تہی دست تھا۔ میرے پاس گھر، اچھی ملازمت، بیوی بچے رشتوں کا [illegible] بڑے گھر بڑی گاڑی اور دوسری خواہشوں نے مجھے [illegible] کر رکھا تھا اور بانو تہی دست ہونے کے باوجود یہ کہتا تھا جیسے اس کے پاس بہت کچھ ہے۔

دو دن بعد میری واپسی تھی۔ میرے پاس ایک چھوٹا ٹرانسسٹر ریڈیو اور کچھ نقدی تھی جو میں بانو کو دینا چاہتا تھا۔ میں اس کے گھر گیا مگر وہ گھر پر نہیں تھا۔ اس کے ایک ہمسائے لڑکے نے بتایا کہ وہ اپنی بکریاں لے کے پہاڑ پر گیا ہے۔

"اور اس کی چھوٹی بہن؟"......میں نے پوچھا۔

"کون سی بہن......؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "اس کی کوئی بہن نہیں ہے اس کا سارا خاندان دو سال پہلے آنے والے زلزلے میں مارا گیا تھا۔ بانو گھر کا واحد فرد ہے جو بچ گیا۔"

میں نے وہ چیزیں جو میں بانو کو دینا چاہتا تھا اس لڑکے کو دے دیں کہ بانو آئے تو اسے دے دے اور وہاں سے چل پڑا۔

بانو نے ایک بار پھر مجھے حیران کر دیا تھا۔

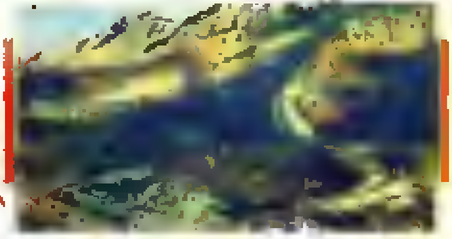
پھول انسائیکلوپیڈیا



فرمان اشرف

طائف

طائف، سعودی عرب کے صوبہ مکہ کا ایک شہر ہے اور سطح سمندر سے 1,700 میٹر (5,600 فٹ) کی بلندی پر واقع ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں اس علاقہ میں بنو ثقیف کا قبیلہ رہتا تھا۔ شہر کے اردگرد دیوار تھی اور لوگ بت پرست تھے۔ ان لوگوں نے کعبہ پر حملہ کے وقت ابرہہ کا ساتھ دیا تھا۔ 620ء



میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا سفر کیا جو اسلامی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ 631ء میں غزوہ تبوک کے وقت طائف والوں نے وفد کو مکہ بھیج کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ طائف پر کئی صدیوں تک عربوں کی حکمرانی رہی مگر 1517ء میں شریف مکہ نے عثمانی سلطان سلیم اول کے حوالے کر دیا۔ 1802ء میں نجدی افواج نے اسے فتح کر لیا جن کا تعلق آل سعود سے تھا۔ 1813ء میں عثمانی سلطان محمود دوم نے اسے واپس حاصل کر لیا۔ 1916ء میں شریف مکہ نے اس پر قبضہ کیا۔ 1926ء میں طائف عبدالعزیز السعود کے بادشاہ بننے پر اس کے قبضہ میں آیا اور سعودی عرب کا حصہ بنا۔

ظہیر الدین محمد بابر

ظہیر الدین محمد بابر فرغانہ (ترکستان) کے حاکم کا بیٹا تھا۔ 1525ء میں پنجاب پر قبضہ کیا۔ 21 اپریل 1526ء کو پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کی حکومت کابل سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی۔ 26 دسمبر 1530ء کو آگرہ میں انتقال کیا اور حسب وصیت کابل میں دفن



ہوا۔ اس کے پڑپوتے جہانگیر نے اس کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنوائی جو بابر باغ کے نام سے مشہور ہے۔ بارہ سال کی عمر سے مرتے دم تک اس بہادر بادشاہ کے ہاتھ سے تلوار نہ چھٹی اور بالآخر اپنی آئندہ نسل کے لیے ہندوستان میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہوا۔ تزک بابری اس کی مشہور تصنیف ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف دھنی تھا، بلکہ قلم کا بھی بادشاہ تھا۔ فارسی اور ترکی زبانوں کا شاعر بھی تھا اور موسیقی سے بھی خاصا شغف تھا۔

عاد

عاد ایک قدیم عرب قوم جس کا ذکر قرآن میں سورۃ ہود (آیات 50 تا 60) اور [illegible] (آیات 6 تا 8) میں آتا ہے۔ اس قوم پر حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ جب اس قوم نے شرک اور بت پرستی ترک نہ کی تو اللہ نے عذاب نازل کر کے اسے تباہ کر دیا۔ اس کو ... کر کے کو ... جاتا تھا مگر اسی صدی میں اس کے ... ارم کے ... ہوئے ہیں جو ارض الاولیٰ کے اس حصے میں جو آج کل عمان میں شامل ہے۔ عاد اصل میں حضرت نوح علیہ السلام کی چوتھی پشت سے تھے (عاد بن عوض بن ارم بن سام بن نوح) اور ان کے ... اس قوم کو پکارا جاتا ہے۔ قوم عاد کو مشہور روایات کے مطابق آندھی سے تباہ کیا گیا تھا۔ قرآن کے مطابق یہ قوم دنیا اور آخرت دونوں میں اللہ کی رحمت سے دور اور محروم ہے۔ جدید تحقیق ... یہ قوم 3000 سال قبل مسیح سے لے کر پہلی صدی عیسوی ... تھی۔ ان کو ہزار ستونوں والے شہر کی قوم بھی کہا جاتا ہے۔

غار حرا

غار حرا، مکہ مکرمہ کے قریب واقع پہاڑ جبل نور میں واقع ایک غار جہاں پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس غار تک پہنچنے کے لیے ساٹھ ستر میٹر نیچے مغرب کی سمت جانا پڑتا ہے۔ نشیب میں اتر کر راستہ پھر بلندی کی طرف جاتا ہے جہاں غار حرا واقع ہے۔ غار پہاڑ کے پہلو میں تقریباً خیمے کی شکل میں اور ذرا باہر کو ہٹ کر ہے۔ کم وبیش نصف میٹر موٹے اور پونے دو میٹر تک چوڑے اور تین چار میٹر لمبے چٹانی تختے پہاڑ کے ساتھ اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ متساوی الساقین مثلث جیسے منہ والا غار بن گیا ہے۔ غار کی لمبائی سوا دو میٹر ہے اور اس کی اونچائی آگے کو بتدریج کم ہوتی گئی ہے۔ غار کا رخ ایسا ہے کہ سارے دن میں سورج اندر نہیں جھانک سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چالیس سال کے ہوئے تو



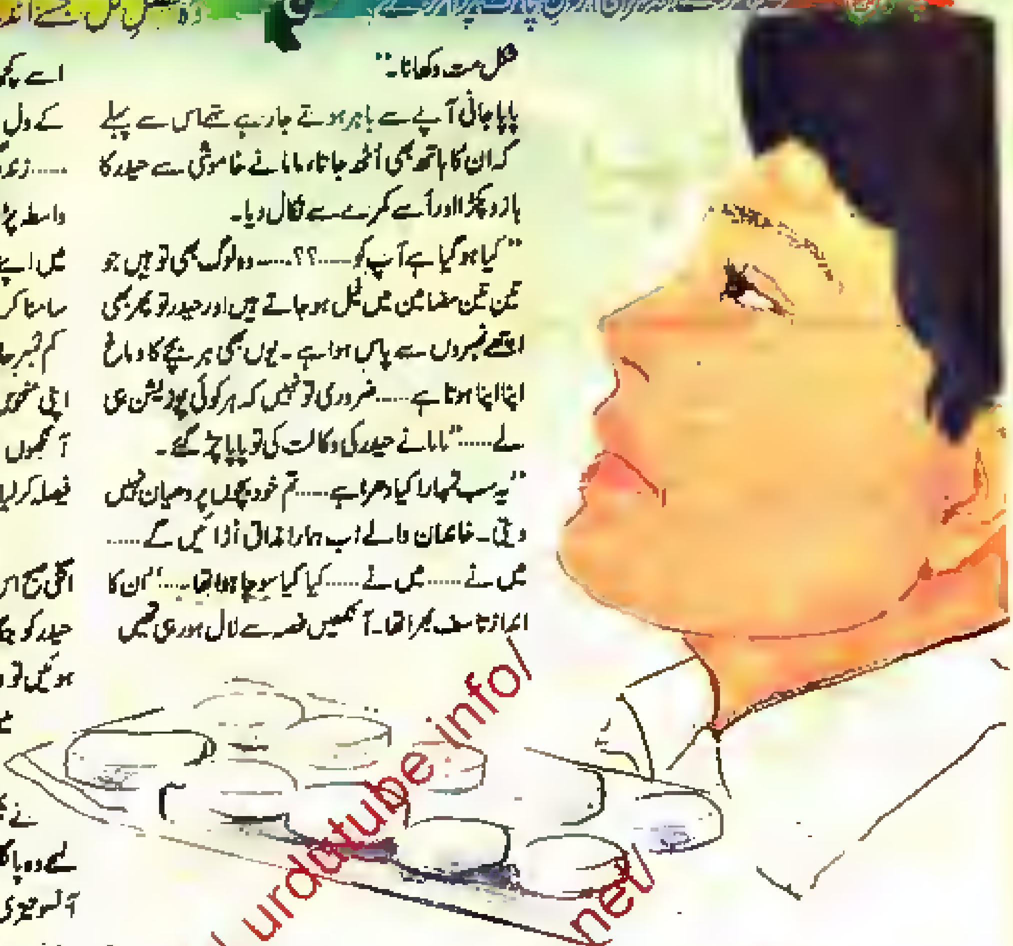
آپ چند روز کی خوراک ساتھ لے کر جبل نور پر آتے اور اس غار میں غور وفکر اور عبادت فرماتے تھے۔ پھر ایک روز جبرائیل علیہ السلام امین نمودار ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلی وحی نازل کی جس کے ذریعے باری تعالیٰ نے آپ کو نبی آخر الزماں مبعوث کیا۔

فاتح مسجد

فاتح مسجد ترکی کے شہر استنبول کی ایک جامع مسجد ہے جو عثمانی عہد میں قائم کی گئی۔ یہ استنبول میں ترک اسلامی طرز تعمیر کا ایک اہم نمونہ ہے اور ترک طرز تعمیر کے ایک اہم مرحلے کی



نمائندگی کرتی ہے۔ فاتح مسجد فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد ثانی المعروف محمد فاتح کے حکم پر تیار کی گئی۔ یہ فتح قسطنطنیہ کے بعد تعمیر کی جانے والی پہلی مسجد تھی۔ اس مسجد کے ماہر تعمیرات عتیق سنان تھے جنہوں نے 1463ء سے 1470ء کے عرصے میں اس مسجد کو تعمیر کیا۔ مسجد کی اصل عمارت مسجد کے گرد انتہائی منصوبہ بندی سے تیار کی گئی عمارات کا مجموعہ تھی۔ ان میں آٹھ مدارس، کتب خانہ، شفا خانہ، مسافر خانہ، کاروان سرائے، بازار، حمام، ابتدائی مدرسہ اور لنگر خانہ موجود تھے۔ حقیقی عمارت تقریباً مربع شکل میں 325 میٹر پر پھیلی تھی۔ مسجد کے باغ میں سلطان محمد فاتح اور ان کی اہلیہ گل بہار خاتون کی قبریں ہیں۔ مسجد کے احاطے میں سلطان محمد فاتح کی والدہ مُقلب ول سلطانہ کی قبر بھی موجود ہے جبکہ کئی سرکاری عہدیداروں کی قبریں بھی یہیں ہیں۔



وہ دونوں حد سے گزر گئے تھے اور......

حد سے آگے

شاہدا قبال

عمر 14 برس کی تھی مگر چہرے مہرے سے حیدر 16 سے 17 سال کا لگتا تھا۔ اس وقت وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے پاپا جانی کے سامنے کھڑا تھا اور...... پاپا غصے میں کانپتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"شرم کرو...... اب میں خاندان والوں کا کیسے سامنا کروں گا...... میں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے کہ میرا بیٹا میٹرک میں کم از کم پورے سکول میں فرسٹ آئے گا بورڈ میں پوزیشن لینا تو خیر تمہارے بس کی بات نہیں تھی مگر ...... تم نے تو میرا نام ہی ڈبو دیا...... تھرڈ پوزیشن میں پاس ہونے سے بہتر تھا کہ تم...... چلو بھر پانی میں ڈوب مرتے ...... کتنی مہنگی اکیڈمی میں تمہاری ٹیوشن کا انتظام کیا تھا...... لیکن تم ...... تم...... کو رتی بھر بھی احساس نہیں ہوا کہ باپ کی محنت کی کمائی کو کیسے ضائع اور برباد کر دیا ہے ...... پچھلے سال تمہارے ماموں کی بیٹی نے کیسا کمال کر دیا تھا۔ بورڈ میں دوسری پوزیشن لی اور لاکھوں روپیہ انعام بھی حاصل کیا۔ تمہارے دماغ میں تو بھوسہ بھرا ہوا ہے...... تم ...... تم میری نظروں سے دور ہو جاؤ، آئندہ اپنی منحوس شکل مت دکھانا۔"

پاپا جانی آپے سے باہر ہوتے جا رہے تھے اس سے پہلے کہ ان کا ہاتھ بھی اٹھ جاتا، ماما نے خاموشی سے حیدر کا بازو پکڑا اور اسے کمرے سے نکال دیا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟؟...... وہ لوگ بھی تو ہیں جو تین تین مضامین میں فیل ہو جاتے ہیں اور حیدر تو پھر بھی اچھے نمبروں سے پاس ہوا ہے۔ یوں بھی ہر بچے کا دماغ اپنا اپنا ہوتا ہے...... ضروری تو نہیں کہ ہر کوئی پوزیشن ہی لے......" ماما نے حیدر کی وکالت کی تو پاپا چڑ گئے۔

"یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے...... تم خود بچوں پر دھیان نہیں دیتی۔ خاندان والے اب ہمارا مذاق اڑائیں گے...... میں نے...... میں نے...... کیا کیا سوچا ہوا تھا......" ان کا انداز تاسف بھرا تھا۔ آنکھیں غصہ سے لال ہو رہی تھیں۔

اسے کچھ ہدایات دیں اور اپنے کلینک چلے گئے۔ حیدر کے دل و دماغ میں اس وقت آندھیاں چل رہی تھیں ...... زندگی میں ایسی ذلت آمیز صورتحال سے اسے کب واسطہ پڑا تھا۔

میں اپنے دوستوں اور پاپا جانی کے رشتہ داروں کا کیسے سامنا کروں گا...... سب لوگ مذاق اڑائیں گے کہ کتنے کم نمبر حاصل کیے ہیں...... میں...... میں اب پاپا جانی کو اپنی منحوس شکل ہرگز نہیں دکھاؤں گا، ہرگز نہیں۔" نم آنکھوں کے ساتھ اس نے ایک خطرناک اور خوفناک فیصلہ کر لیا...... ایسا فیصلہ جو بے حد بھیانک تھا......

☆......☆......☆......☆

اگلی صبح اس خاندان کیلئے کسی قیامت سے کم نہ تھی...... ماما حیدر کو جگانے کیلئے اس کے کمرے میں جیسے ہی داخل ہوئیں تو دھک سے رہ گئیں...... حیدر عجیب سی حالت میں اوندھے منہ بستر پر پڑا تھا۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کے بستر کے ساتھ تپائی پر رکھا ہوا تھا۔ ماما نے بجلی کی سی تیزی سے وہ رقعہ اٹھایا اور اگلے ہی لمحے وہ پاگلوں کی طرح چلا رہی تھیں۔ آنکھوں میں سے آنسو تیزی سے گر رہے تھے۔

اسی لمحہ حیدر کے پاپا بھی کمرے میں داخل ہوئے، وہ ڈاکٹر تھے کمرے کے ماحول کو دیکھ کر اور راستہ میں حیدر کے چہرے کے خاموش تاثرات دیکھ کر انہیں صورتحال سمجھنے میں دیر نہ لگی تھی......

"بھائی جان...... بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا بھی ایک حد تک...... اور......" چاچو خالد کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ پاپا جانی بول اٹھے...... "تم تو مت ہی زبان کھولو...... ڈاکٹر صاحب۔" انداز طنزیہ تھا۔ چاچو خالد نے گہری نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھا اور کمرے سے نکل گئے۔

چاچو خالد اسی گلی میں سامنے والے مکان میں رہتے تھے آنا جانا لگا رہتا تھا...... وہ اپنے بھائی کے گرم مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے خیال میں حیدر کو دل جوئی کی ضرورت تھی...... یقیناً وہ اس صورتحال سے اندر سے بکھر چکا تھا...... اور اسے کسی دوست کی ضرورت تھی۔ انہوں نے کچھ سوچ کر ایک جاننے والے کو فون کیا......

"حیدر، پاپا۔ حیدر کے پاپا۔ دیکھیں ہمارے حیدر کو کیا ہو گیا......" اس کمرے میں ہر کوئی موجود تھا جس میں حیدر کی چھوٹی بہن حنا بھی شامل تھی۔ چاچو خالد بھاگے بھاگے اپنی پوری فیملی کے ساتھ آن موجود ہوئے تھے۔ پاپا جانی ہُنق بنے کھڑے تھے جیسے...... جیسے ان کا سب کچھ لٹ چکا ہو...... ہار ہو چکا ہو۔ چاچو خالد بھی خاموشی کے ساتھ حیدر کی نبض چیک کر رہے تھے۔ ابھی گزشتہ رات تو وہ حیدر کے کمرے میں اس سے کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے تھے...... ایک بار پھر انہوں نے پڑھا حیدر نے چند الفاظ یوں لکھے تھے۔

"پاپا جانی ...... میں نے واقعی آپ کو منہ نہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا ہے...... امید کرتا ہوں اب آپ کو میرے رزلٹ کو لے کر شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا...... ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا...... اور ماما آپ بھی...... بدنصیب، حیدر۔"

چاچو خالد نے اپنے بڑے بھائی کو معنی خیز نظروں سے

دیکھا اور مسکرائے۔ ''بھائی جان...... حوصلہ رکھیے۔ آپ کا بیٹا زندہ ہے...... اور...... ایسا اللہ کی رضا اور میری چھوٹی سی کوشش سے ممکن ہوا ہے ورنہ...... واقعی حیدر خودکشی کی کوشش کر چکا تھا...... اس کے لئے اتنی ذلت برداشت کرنا ممکن تھا اور مجھے فکر تھی کہ وہ کوئی غلط قدم نہ اٹھائے۔ اسی لئے میں نے اپنے ایک دوست کو اس پر نظر رکھنے کے لئے تیار کیا...... حیدر نے عام طور پر استعمال ہونے والے طریقے کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور گندم، چاول میں رکھنے والی گولیاں ایک جگہ سے خرید لیں۔ جیسے ہی مجھے یہ اطلاع ملی میں فوراً سائے کی طرح حیدر کے ساتھ ہو لیا...... اس کے کمرے میں دیر تک وقت گزارنا میرا معمول تھا اس لئے اس کو شک نہ ہوا اور میں نے موقع پاتے ہی ان زہریلی گولیوں کو دوسری ملتی جلتی گولیوں سے بدل دیا۔ براہ راست معاملہ کھلنے پر وہ کسی دوسرے طریقے سے بھی خود کو موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا اور یوں بھی وہ اعصاب کو پرسکون کرنے والی دوا تھی۔ اس میں گہری نیند لانے کے اجزا بھی شامل تھے۔ اس وقت اس کی اسے ضرورت تھی اور...... آپ کو بھی چند گھڑیاں اذیت دینا بھی ضروری تھا...... ہم لوگ اپنی سوچ اور خیالات کو اپنی اولاد پر مسلط کرنے میں سب کچھ بھول جاتے ہیں کہ ان کے اثرات اگلے فریق پر کتنے خطرناک بھی ہو سکتے ہیں...... بس مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔''

چاچو خالد کی آنکھیں برس رہی تھیں...... ماما دوڑ کر حیدر سے لپٹ گئی تھیں اور اس کے چہرے کو بار بار چوم رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حیدر کو بھی ہوش آ گیا اور وہ کمرے میں بدلی ہوئی کہانی دیکھ کر حیرت اور خوشی سے اُچھل پڑا...... بے یقینی کی حالت میں اس نے جلد ہی ساری صورتحال سمجھ لی۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے پاپا جانی کی طرف بڑھا اور ان سے لپٹ گیا۔

''معاف کر دیں پاپا...... میں...... میں...... غصے میں بھٹک گیا تھا، میں دل سے معافی چاہتا ہوں۔''

پاپا جانی نے اس کی آنسو بہاتی آنکھوں کو چوما اور بولے:

''حیدر بیٹا غلطی میری تھی...... مجھے معافی مانگنی چاہیے۔ میں حد سے گزر گیا تھا......''

''پاپا جانی'' کہہ کر حیدر نے اپنے ابو کو خود سے لپٹا لیا اور کمرے میں محبت، شفقت اور شادمانی کے پھولوں کی مہک چاروں طرف پھیل گئی۔

☆☆☆

"ننھا مجاہد"

وہ کیسا بزدل دشمن ہے جو بچوں سے لڑتا ہے

سیدہ نرجس فاطمہ

اس کی ماں پچھلے ایک گھنٹے سے اسے تیار کر رہی تھی، سنوار رہی تھی، کبھی جوتوں کے تسمے باندھتی اور کبھی بال سنوارتی۔ کبھی بال ایک طرف کھینچتی اور کبھی دوسری طرف اور کبھی یوں ہی کشادہ پیشانی پر بکھیر دیتی۔

اس کی روز کی تیاری یوں ہی ہوتی تھی اور کبھی کبھار وہ چھ سالہ ننھا مجاہد تنگ پڑ جاتا تو ماں کا دل صدا دیتا۔

"مجاہدوں کے دل بڑے ہوتے ہیں بیٹا! مجاہد صبر کیا کرتے ہیں"۔

اور جواباً ماں کے دل کی صدا پا کر ننھا مجاہد ہلکے سے مسکرا دیتا۔

مجاہد تیار ہو رہا تھا اور ماں کی نگاہیں اس کے سپاہیانہ لباس کا طواف کر رہی تھیں۔ بالآخر مجاہد کی تیاری مکمل ہو گئی وہ میدان جنگ میں دشمنوں کو جھنجھوڑنے کے لیے کھڑا تھا اور اس کی ماں اس کی معصوم خوبصورتی میں پوشیدہ ہیبت دیکھ کر گھٹنوں کے بل اس کے قدموں میں گر پڑی، گھٹنوں نے اس کے قدموں کو چھوا اور اس کے ساتھ ہی ماں کی آنکھوں سے نکلنے والے دو موتیوں نے بھی اس کے قدموں کو چھوا۔

بیٹے کے دل نے خاموش ناراضگی سے صدا دی۔

"مجاہدوں کی ماؤں کے دل بڑے ہوتے ہیں ماں! مجاہدوں کی مائیں صبر کیا کرتی ہیں" لیکن آج ماں کے دل کی ناراض آواز سن رہا تھا۔

"بیٹا! ایسے نہ کہو، یہ آنسو تو خوشی کے آنسو ہیں، بھلا ایک ماں کی ننھی خوشی ہے جس کا بیٹا اب میدان جنگ میں جانے کے قابل ہو گیا ہے۔

مجھے مجاہد کی ماں ہونے پر فخر ہے اور وقت آنے پر میرا مجاہد جان جائے گا کہ اس کی ماں کا دل کتنا بڑا ہے"

مجاہد جا رہا تھا اور ماں اسے حوصلوں کے ساتھ الوداع کہہ رہی تھی۔

"الوداع میرے ننھے مجاہد! الوداع"۔

اور کون جانے آج کا آفتاب اس بلند حوصلہ ماں کو کیا دکھانے والا تھا؟۔

☆☆☆

وہ ایک سپاہی کی بیوی اور ایک ننھے مجاہد کی ماں تھی اسے بلند حوصلہ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس کے شوہر میجر احمد ان دنوں پشاور میں تعینات تھے۔ ان کے دو بچے تھے ایک چھ سالہ حمزہ اور دوسری چار سالہ حسنہ۔ وہ گھرانہ خوشیوں سے معمور تھا جہاں قہقہے بکھرتے تھے اور خوشیاں طواف کرتی تھیں، پھول کھلتے تھے اور کلیاں چٹکتی تھیں۔

سرخ و سپید رنگت والا حمزہ جس کی سیاہ اور چمکدار آنکھوں میں ذہانت اور شرارتیں سر اٹھاتی تھیں مگر وہ ادا سے چھپائے رکھتا تھا اور رہی سہی کسر بالوں والی کٹنگ نے پوری کر دی تھی۔ حسنہ بالکل جیسی تھی صورت میں اور عادات میں بھی۔ بس فرق اتنا تھا کہ اس کے قہقہے فرخ تھے اور حمزہ کے قہقہے ذرا سنجیدہ......!

"تمہیں پتا ہے حمزہ! خدا کے مجاہدوں کے قہقہے بھی سنجیدہ ہوتے ہیں، ان کی مسکراہٹوں میں بھی تلوار کی جھنکار ہوتی ہے۔ خدا کے شیر ایسے ہی ہوتے ہیں میرے بیٹا"

اور ایسی باتیں پتہ نہیں اس کی سمجھ میں آتی تھیں یا نہیں مگر اس کے جواب میں وہ دھیما سا مسکراتا اور بابا بھی مسکرا دیتے۔

وہ بہت ذہین تھا۔ جہاں گھر بھر کا لاڈلا تھا وہیں کلاس میں بھی وہ ایک 'لاڈلا بچہ' تھا۔ گھر اور سکول دونوں اس کے سنجیدہ قہقہوں کے منتظر رہتے۔ اس نے پہلی تصویر ہی ایک سپاہی کی بنائی تھی مگر مزے کی بات تو یہ تھی کہ وہ سپاہی چھوٹا سا تھا بالکل اس کی طرح! ٹیچر نے پوچھا "بیٹا! بھلا چھوٹے سپاہی بھی لڑتے ہیں؟"۔

وہ مسکرایا اور بولا:

"جی مس جی! میری مما کہتی ہیں کہ بیٹا تم بھی سپاہی ہی تو ہو"

ٹیچر مسکرائیں اور بولیں:

"ہاں میرے ننھے مجاہد! تم بھی تو جہاد کر رہے ہو"

وہ ایسے لفظوں کی گہرائی سے ناآشنا تھا مگر ایسے لفظ اسے بہت بھلے محسوس ہوتے تھے۔

حسنہ ذرا چھوٹی تھی اور سکول نہیں جاتی تھی اور اسے اس بات کا ہمیشہ شکوہ رہتا۔ جب وہ صبح سویرے اٹھ کر میٹھی نیند کو خیرباد کہتا ہے تو حسنہ ایسا کیوں نہیں کرتی؟

جب وہ اکتاہٹ بھرے انداز میں کہتا:

"مما! اگر سکول شام کو ہو جائے تو کتنا مزہ آئے نا"۔

اور مما تاسف سے سر ہلا کر کہتیں:

"حمزہ! تم ایک سپاہی کے بیٹے ہو اور ایک سپاہی کے بیٹے کو بہادر ہونا چاہیے۔ وہ تلواروں کی جھنکار کو بھی مسکرا کر سنتے ہیں اور تم صرف صبح اٹھنے سے گھبرا رہے ہو"۔

اور وہ ایسے گھبرا کر آئندہ ایسی باتوں کو سوچنا ترک کرنے کا عہد کر لیتا۔

ایک دفعہ وہ اور حسنہ کھیل رہے تھے اسے پاؤں میں ذرا سی چوٹ لگ گئی، خون کی بوندیں اس کے پاؤں سے ہو کر زمین پر ننھے ننھے دائرے بنا رہی تھیں، مگر اسے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہ تھی، وہ بدستور کھیلتا رہا کیونکہ وہ ایک سپاہی کا بیٹا اور ننھا مجاہد ہی تو تھا، مما یوں ہی کہا کرتی تھیں، اور یہ خون اس خون کے مقابلے میں تو کچھ نہ تھا، جب ایک دفعہ بابا سپاہیانہ لباس میں گھر آئے تھے اور ان کے بازو سے خون رس رہا تھا۔

مگر حسنہ نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا، باقاعدہ رونے دھونے کے علاوہ اس نے مما کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اس نے جھنجلا کر حسنہ کے بازو کو جھنجھوڑا اور بولا: "تم ایک مجاہد کی بہن ہو!" اس نے مما اور بابا کی باتوں کو ملا کر ایک نتیجہ اخذ کرتے ہوئے اسے تسلی دی تھی مگر حسنہ ایسی



باتیں کہاں سمجھ سکتی تھی، وہ اس جملے پر ذرا خاموش ہوئی اور پھر رونا شروع کر دیا مگر اب آنکھیں خاموش آنسو بہا رہی تھیں۔ بھیا کی آنکھیں تسلی سے بہنا کو سمجھا رہی تھیں۔ دل تسلی سے صدا دے رہا تھا:

"بس اتنی سی بات پہ رو دیں، تم ایک مجاہد خدا اور ننھے سپاہی کی بہن ہو، ابھی تو نہ جانے تمہیں کیا کیا دیکھنا ہے"۔

اس کی آنکھیں بہن سے سوال کر رہی تھیں:

"صبر کر سکو گی بہنا؟"۔

اور بہن کی بھیگی آنکھیں بے بسی سے بھری کہہ رہی تھیں:

"بھیا! بہنوں کے دل نازک ہوتے ہیں"۔

اور بھیا کی نگاہیں مضبوط لہجہ لئے کہہ رہی تھیں:

"مگر خدا کے مجاہدوں اور سپاہیوں کی بہنوں کے نہیں۔ ان کے دل ایک چٹان کی مانند ہوتے ہیں"

لیکن نگاہیں جانتی تھیں کہ اندر کہیں کچھ ٹوٹ رہا تھا......! اور فلک ان ننھے بہن بھائیوں کی نہ سنائی دینے والی گفتگو کو بھی سن رہا تھا۔

اس کے بابا اکثر اس سے کہا کرتے تھے:

"بیٹا میں نے تمہیں اس مجاہد خدا کا نام دیا ہے جو بدر کے میدان میں شہنشاؤں میں سے ایک تھے، مجھے یقین ہے بیٹا تم مجھے شرمندہ نہیں کرو گے"۔

اور وہ جواب میں ہمیشہ کی طرح مسکرا دیتا اور بابا بھی مسکرا دیتے۔

فلک اکثر ان دونوں کی خاموش مسکراہٹوں کو دیکھا کرتا تھا اور ابھی تو اسے بہت کچھ دیکھنا تھا، ابھی تو بہت سے خاموش آنسوؤں کو دیکھنا باقی تھا۔

☆☆☆

ربیعہ اپنے بیٹے حمزہ کو ہر روز بہت شوق سے تیار کیا کرتی تھیں مگر آج کا دن بہت خاموش تھا۔ بہت مغموم اور وہ تمام دنوں کی نسبت آج زیادہ جوش و خروش سے اپنے ننھے مجاہد کو تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے ایک گھنٹہ اپنے بیٹے کی تیاری میں لگایا تھا اور اب تو حسنہ بھی جاگ کر اپنے بھائی کی تیاری دیکھ رہی تھی۔ حسنہ اپنی دانست میں چیزیں پکڑ کر اپنی ماں کی مدد کر رہی تھی۔

بالآخر ربیعہ نے اپنے بیٹے کو کھانا کھلایا اور حتمی اسلحے سے لیس کیا۔ حمزہ نے بستہ کندھے سے لگاتے ہی میدان جنگ کا رخ کیا، جہاں ننھے ننھے مجاہد تاریکیوں کے دیوتا سے جنگ میں مصروف تھے۔

گھر جاتے جاتے وہ اچانک رکا، ماں نے کشادہ پیشانی کا بوسہ لیا، بہن کی آنکھوں کا سوال زبان پہ آیا۔

"بھیا آج کیا چیز لاؤ گے؟"۔

اور جواب آیا تھا:

"کیک لاؤں گا"۔

بہن بولی: "وعدہ بھیا"۔

بھائی کی آواز سنائی دی: "وعدہ!"۔

وہ جا رہا تھا، ماں اور بہن دہلیز پہ کھڑی تھیں۔ بابا اسے ملنے کے جا رہے تھے اس کی چال میں مجاہدوں کی سی شان تھی......!

☆☆☆

وہ مکتب میں داخل ہوا، ہر چیز نے عجیب سی مسکراہٹ سے اس کا استقبال کیا۔

وہ اپنے دوستوں کے ہالے میں کلاس میں بیٹھا تھا جب گولیوں اور تیز تیز چلتے قدموں کی آواز آئی۔ سب چونکے تھے مگر سمجھ نہ سکے، وہ کلاس میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ سپاہیوں کے بچوں اور دوسرے بچوں کو الگ الگ کر رہے تھے۔

وہ ننھا مجاہد سینہ تانے سپاہیوں کے بچوں میں سب سے آگے کھڑا تھا۔ معصوم بچوں کو کچھ علم نہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ وہ ننھا مجاہد میدان میں اپنے ساتھیوں کی ہمت بندھا رہا تھا۔ اس کی ٹیچر انہیں بچانے کے لئے آگے بڑھی تو انہیں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ وہ اب بھی پرسکون کھڑا تھا۔ ایک درندہ آگے بڑھا اور اس کے بالوں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا، ایک عجیب مسکان اور طمانیت بھرے احساس کے ساتھ کھڑا تھا۔ حملہ آور کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی ہو گئی، سامنے اس کے چہرے پر مسکراہٹ دکھائی دی "تم مجھے مار سکتے ہو مگر میرے چہرے سے مسکراہٹ نہیں چھین سکتے" حملہ آور ٹھٹک گیا۔ موت کے سامنے اتنی پرسکون طمانیت بھرا احساس اچانک حمزہ بول اٹھا "تم میرے بابا سے ڈرتے ہو اور تم صرف بچوں کو مار سکتے ہو"۔

حملہ آور ششدر رہ گیا: "تم ...."

ننھے مجاہد نے اطمینان سے کہا "میں حمزہ"۔

دوسرا حملہ آور چلایا:

"یہ میجر احمد کا بیٹا، سپاہی کا بیٹا، مار دو اسے"۔

اور ساتھ ہی اس پر گولی چلائی گئی، گولی اس کے سینے کے بائیں طرف لگی، وہ گر پڑا، نظروں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

ایک آواز دماغ میں ابھری:

"بیٹا میں نے تمہیں اس مجاہد خدا کا نام دیا ہے جو بدر کے شہنشاؤں میں سے تھے۔ مجھے یقین ہے بیٹا تم مجھے شرمندہ نہیں کرو گے" اب باتیں کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھیں حقیقت کھل رہی تھی۔

وہ اچانک چلایا:

"نہیں نہیں! دیکھیں میں نے آپ کو شرمندہ نہیں کیا"۔

ایک ظالم پلٹا اور اسے دیوار سے پٹخا، وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گرا تھا۔ ننھا وجود لرز رہا تھا، پیشانی کے خون نے چہرے کا بوسہ لیا، چہرے پہ ایک مسکان ابھری اور ایک آواز بھی:

"تمہیں پتا ہے حمزہ! خدا کے مجاہدوں کے قہقہے بھی عجیب ہوتے ہیں، ان کی مسکراہٹوں میں بھی تلوار کی جھنکار ہوتی ہے۔ خدا کے شیر ایسے ہی ہوتے ہیں میرے بیٹا"۔

مسکراہٹ گہری ہو گئی، مما کے آنسو دکھائی دیئے، وہ تڑپ گیا۔ "یہ خوشی کے آنسو ہیں بیٹا"۔

اسے بہن سے کیا گیا وعدہ یاد آیا اور پھر اس کی سسکیاں سنائی دیں۔

"بہنوں کے دل نازک ہوتے ہیں بھیا"۔

"تم مجاہد کی بہن ہو" وہ چلایا۔

حملہ آور نے جاتے جاتے مڑ کر اس کی طرف دیکھا لیکن اتنے میں پاک فوج کے کمانڈوز وہاں پہنچ چکے تھے۔ اسے اپنے بابا آتے دکھائی دیئے۔ باپ کی آنکھوں میں آنسو تھے، تڑپ تھی جیسے کہہ رہے ہوں۔

"نہیں نہیں! تم تو ابھی بہت چھوٹے تھے میرے ننھے مجاہد" اور وہ جیسے کہہ رہا تھا:

"نہیں بابا! میرے ننھے لہو کی وطن کو ضرورت تھی"۔

بابا نے اس کا سر گود میں لیا۔ وہ ٹوٹتے ہوئے لفظوں میں بول رہا تھا:

"بابا! میرے کپڑے خراب ہو گئے ہیں۔ مما نے کل مجھے ڈانٹا تھا۔ میں نے کپڑوں پر داغ لگا دیئے تھے۔ کیا وہ آج بھی ڈانٹیں گی؟"۔

"نہیں بیٹا" باپ نے آنسو اندر اتارے۔

"بابا میں حسنہ کا وعدہ پورا نہیں کر سکا، وہ کیک مانگ رہی تھی" اس نے غنودگی میں بابا کو دیکھا، مسکرایا اور آنکھیں بند کر لیں ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں۔ گھر میں مما اور بہنا اس کی راہ تک رہی تھیں مگر وہ جیسے بہن کا وعدہ ٹوٹ جانے پر شرمندہ تھا اور آنکھیں کھول کر گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ بہن کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے کیا وعدہ وہ توڑ چکا تھا۔

اس کی مما بڑے صبر اور ضبط کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھیں۔ بہن کی خاموش آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ اس نے سب کو سرخرو کر دیا تھا۔ اسے فرشتے لینے آئے تھے اور وہ مسکراتا ہوا ان کے ساتھ جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

"اے میری قوم کے لوگو! ہم شہیدوں نے اپنا حصہ ادا کر دیا، اب خدارا تم ہماری محنت کو ضائع مت کرنا اور اپنا حصہ ضرور ادا کرنا۔ وطن کی مٹی کو ہم نے اپنے لہو سے سینچا ہے، اب اس پر پھول اگانا تمہارا کام ہے" وہ چلا گیا مگر اپنا ننھا سا پیغام دے گیا۔

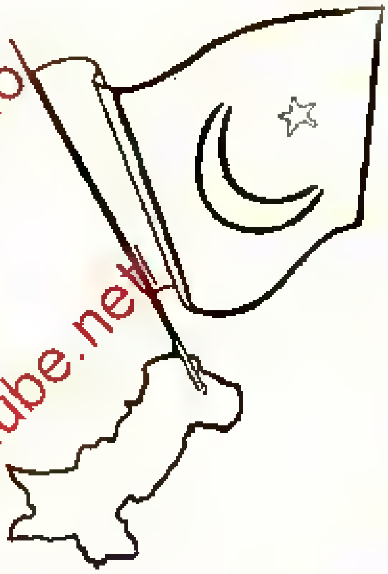
یہ کتنی خوش نصیب قوم تھی جس کے بچے اس "ننھے مجاہد" جیسے تھے مگر کاش یہ قوم یہ بات سمجھ سکتی۔



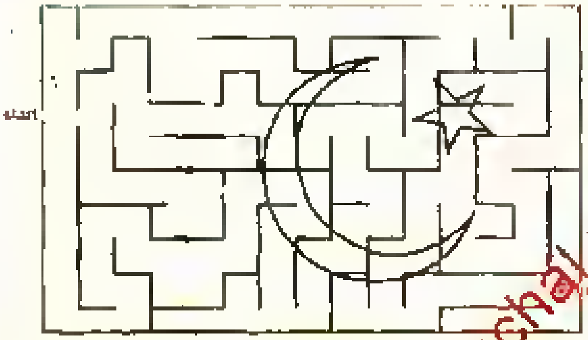
زبردست جملہ آپ کا
اور شاندار انعام بھی آپ کا

اس تصویر کے حوالے سے زبردست جملہ "پھول" میں شائع کردہ کوپن پر اپنے نام و پتہ کے ساتھ لکھ کر 10 تاریخ تک بھجوائیں اور انعام پائیں

رنگ بھرئیے



راستہ تلاش کریں



دونوں تصویروں میں چھ جگہ فرق ہے ذرا ڈھونڈ کر تو بتائیے



